

RAIN MAGIC

Erle Stanley
Gardner



"I'm Kk-Kk, the
keeper of the gold ledge," she said.

From the deck of a ship the sea snatched him
and hurled him into a weird adventure
and romance such as few men experience

READ FOR LIBRIVOX BY BEN TUCKER

<https://www.facebook.com/share/g/17gVK6Xocf/>

میرے تحریر کردہ عالمی جاسوسی ناولوں کے نایاب و ناکردہ تراجم وہی مغربی انداز میں -
شائقین خود بھی اس گروپ میں شامل ہوں اور دیگر صاحب ذوق احباب کو بھی مدعو کریں!

"بارش کا اسرار"

پہلے میں نے اسے ایک جھوٹ سمجھا تھا، ایک ایسا قصہ جو ایک بوڑھے ریگستانی خانہ بدوش کی زبانی سنایا گیا ہو۔ مگر پھر کچھ ایسا ہوا کہ میں نے اسے سچ ماننا شروع کر دیا۔

"بارش کا جادو" حقیقت ہے یا صرف کہانی؟ مجھے افسوس ہے کہ میں یہ نہیں جان سکتا۔ میں جانتا ہوں کہ اس کہانی کا کچھ حصہ افسانہ ہے کیونکہ بعض واقعات نے مجھے بہت متاثر کیا۔ اُس وقت، میں نے اسے ایک پرانے ریگستانی خانہ بدوش کا جھوٹا قصہ سمجھا تھا۔ پھر میں نے اس پر یقین کرنا شروع کر دیا کہ شاید یہ سچ ہے۔

تقریباً چھ ماہ پہلے، میں مغربی کہانیاں پڑھ کر تھک چکا تھا۔ میرے ذہن میں کہانیوں کے کردار دھندلے پڑ گئے تھے، اور میرے جملوں میں وہ خاص کشش نہیں رہی جو ایک اچھی کہانی کو موثر بناتی ہے۔ میں جانتا تھا کہ مجھے کچھ نیا مواد تلاش کرنا ہوگا۔

اسی لئے میں نے ایک کیمپ ویگن حاصل کی۔ یہ ایک ایسا ٹرک تھا جس میں رہنے کے تمام انتظامات موجود تھے — بستر، باتھ روم، گرم اور ٹھنڈا پانی، ریڈیو، لکھنے کی میز، الماری، چولہا وغیرہ۔ میں بے نشان ریگستان کی طرف روانہ ہو گیا، پرانے راستوں پر چلتے ہوئے، کبھی کبھار نئے راستے بناتے ہوئے۔ میں راستے میں لکھ رہا

تھا، بوڑھے کان کنوں سے مل رہا تھا، ان کے خاکے بنا رہا تھا، اور ریگستانی ماحول میں غرق ہو رہا تھا۔

۱۳ فروری کو میں ایک چھوٹے سے چشمے پر پہنچا جو ایک ویران ریگستان کے بیچ میں تھا۔ جتنا مجھے معلوم تھا، میلوں تک کوئی بھی انسان نہیں تھا۔ پھر مجھے قدموں کی آواز سنائی دی، اور کسی کی آواز آئی۔ میں اپنے ٹائپ رائٹر سے اٹھا اور دروازے کی طرف بڑھا۔ وہاں ایک بوڑھا کان کن چشمے سے پانی بھر رہا تھا، لیکن وہ عام ریگستانی خانہ بدوشوں جیسا نہیں لگ رہا تھا۔ میں ہمیشہ اپنے کرداروں کا مشاہدہ کرتا ہوں، اور یہ شخص مجھے کچھ عجیب لگا۔ مجھے لگا کہ وہ شاید کبھی ملاح (سمندری جہاز کا عملہ) رہا ہوگا۔

تو میں باہر نکلا، اس سے ملا، مصافحہ کیا اور کچھ رسمی بات چیت کی۔ وہ میری ویگن کیمپ میں دیکھنے لے رہا تھا، تو میں نے اسے اندر بلایا، بٹھایا اور کچھ دیر تک گپ شپ کی۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ کبھی ملاح رہ چکا تھا؟ آج بھی مجھے یاد ہے جب اس کی آنکھوں میں ایک خاص سی چمک آئی اور اس نے ہاں میں سر ہلایا۔

عام طور پر ملاح پانی کے قریب رہنا پسند کرتے ہیں، اور ریگستان میں ملاح کا ملنا بہت کم ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے پوچھا کہ وہ ریگستان میں کیوں آیا۔ اس نے بتایا کہ اسے بارش سے دور رہنا پڑتا ہے۔ جب بھی بارش ہوتی، اسے نیند کی بیماری (سلیپنگ سکنس) ہو جاتی تھی۔

یہ ایک کہانی جیسا لگا، تو میں نے فیصلہ کیا کہ اسے مزید بات کرنے کے لیے آمادہ کروں۔ اس کی کہانی دھیرے دھیرے سامنے آنے لگی۔ سہارا کے طوفان کے بعد جہاز کی رسیوں پر جمی مٹی سے لے کر نیند کی بیماری تک، جو ہر بار جب وہ بارش سے بھگی ہوئی خوشبو سونگھتا، واپس آ جاتی تھی۔

مجھے یہ ایک عجیب جھوٹ لگا، مگر یہ ایک دلچسپ اور دل کو چھو لینے والا جھوٹ تھا، اور میں نے سوچا کہ شاید میں اسے اپنی کہانی میں استعمال کر سکوں۔ میں نے اس سے ایک معاہدہ کرنے کی تجویز دی، اور چند منٹوں بعد میرے ہاتھ میں ایک تحریری معاہدہ تھا، جس کا کچھ حصہ یہ تھا۔

"قیمت وصول ہونے پر، میں ارلے سٹینلے گارڈنر کو اپنے افریقی مہمات کی کہانی کے تمام حقوق فروخت کرتا ہوں، جن میں بندر جیسے انسان، غیر تحریری زبان، چوٹیوں جو سونے کی کان کی نگرانی کرتی ہیں، وہ روٹی جس سے مجھے بیماری ہوئی، نیند کی بیماری جو ہر بہار میں واپس آتی ہے اور میری کھوئی ہوئی محبوبہ کی یاد دلاتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔"

پھر میں نے اس کی کہانی کے تمام نوٹس لکھنا شروع کر دیے۔ میں ابھی بھی یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ ایک بڑا جھوٹ ہے — مگر ایک دلچسپ جھوٹ۔

چونکہ میں اسے ایک مکمل افسانوی کہانی بنانا چاہتا تھا، اس لیے میں نے ان خامیوں کو خود ہی پورا کیا۔ میں نے کہانی کو ایک مسلسل انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی اور کہیں کہیں حقیقت سے بھی۔ لیکن میں نے اس کی کہانی کے اہم حصے اور پس منظر وہی رکھا جیسا اس نے بتایا تھا۔

کیونکہ وہ حال ہی میں نیند کی بیماری کے ایک اور حملے سے صحت یاب ہوا تھا، میں نے کہانی کچھ اس طرح شروع کی جیسے کسی راہ گیر نے ریگستان میں اسے سویا ہوا پایا ہو۔ یہ ایک ایسی کہانی تھی جو خود بخود لکھی جا رہی تھی۔ الفاظ جیسے خود ہی میرے ٹائپ رائٹر پر بہتے جا رہے تھے۔ لیکن میں اسے صرف ایک افسانہ سمجھ کر لکھ رہا تھا اور ایسا ہی سوچتا رہا۔

جو کچھ اس نے مجھے بتایا، میں نے وہ سب کہانی میں شامل نہیں کیا۔ کچھ تفصیلات ذاتی نوعیت کی تھیں، جو شائع کرنا مناسب نہیں تھا۔ کچھ باتیں قبائلی روایات،

مخصوص ٹھکانوں اور ثقافتی معلومات کے بارے میں تھیں، جنہیں میں نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا۔ چونکہ میں پوری کہانی کو محض فرضی سمجھ رہا تھا، اس لیے میں نے زیادہ مستند معلومات شامل کرنے سے گریز کیا اور صرف وہی لکھا جو کہانی کے لیے ضروری تھا۔

پھر، جب کہانی مکمل ہو چکی تھی اور میں نے اسے ڈاک میں بھیج دیا، اور جب میں اپنے ہیڈ کوارٹر واپس آیا، تو مجھے کچھ کتابیں ملیں جن میں کہانی میں ذکر کردہ مقامات اور قبائل کے بارے میں معلومات تھیں۔

میرے لیے یہ حیران کن تھا کہ جو کچھ بھی بوڑھے کان کن نے مجھے بتایا تھا، وہ سب حقیقت پر مبنی نکلا۔ میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اس کی کہانی کم از کم کسی نہ کسی حد تک سچائی پر مبنی ضرور تھی۔

اور یوں، میں "بارش کا اسرار" کو اپنی زندگی کی سب سے عجیب کہانی سمجھتا ہوں جس کا مجھے کبھی حصہ بننے کا موقع ملا۔

کہیں نہ کہیں کیلیفورنیا کے ریگستان میں ایک بوڑھا کان کن آج بھی چھپا بیٹھا ہے۔ بارش سے بچتا ہوا، سونے کی تلاش میں مگن، اور اپنی کھوئی ہوئی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں جو جھریاں ہیں، وہ وہ مناظر دیکھ چکی ہیں جو بہت کم لوگ دیکھ پاتے ہیں۔ اس کی زندگی ایک ایسی المیہ کہانی ہے جو اتنی عجیب اور ناقابل یقین ہے کہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے۔

لیکن اس کے بارے میں ایک بات ضرور کہی جاسکتی ہے: "وہ جی چکا ہے!"

باب ۱ موجوں کے درمیان

نہیں، نہیں — اور کافی نہیں چاہیے۔ شکریہ۔
تم نے مجھے جگایا تھا، ہاں؟ خیر، اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہاری
مہربانی سے مجھے جاگنے کا موقع ملا۔ آج کون سا دن ہے؟
جمعرات؟ تو میں دو دن تک سویا رہا — اوہ، واقعی؟ پھر تو نو دن ہو گئے۔ ہاں، اب
یہ بات زیادہ ٹھیک لگتی ہے۔

یہ سب بارش کی وجہ سے ہوا، سمجھ رہے ہو؟ میں اپنی خیمہ گاہ تک واپس جانے کی
کوشش کر رہا تھا، لیکن طوفان اچانک آگیا۔ بارش میں بھگی ہریالی کی وہ مخصوص
خوشبو — یہی مسئلہ ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ خود بخود نیند میں چلے جاتا ہے (آٹو-
ہیپنسس)۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ مگامب نے پہلے ہی مجھے بتا دیا تھا کہ جب بھی مجھے جنگل
کی وہ خاص خوشبو آنے لگی، میری حالت ایسی ہو جائے گی۔ یہ نیند کی بیماری میرے
جسم میں گہرائی تک سرایت کر چکی ہے۔

اسی لیے میں ریگستان میں آگیا۔ یہاں سال میں ایک یا دو بار سے زیادہ بارش نہیں
ہوتی۔ مگر جب بارش ہوتی ہے، تو جنگل کی وہ مہک واپس آ جاتی ہے، اور نیند کی
بیماری مجھے دوبارہ پکڑ لیتی ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ لمبی نیند کے بعد میری یادداشت واپس آنے لگتی ہے۔ وہ
نشہ آور روٹی — کنگ — کی، یہ اس کا نام تھا — لیکن یہ زبان کبھی لکھی نہیں گئی۔ کچھ
ایسی تھی جیسے بندروں کی جدید زبان۔

یہاں بہت گرمی ہے۔ آؤ، اس پام کے درخت کے سائے میں بیٹھو۔ ہاں، اب
بہتر ہے۔

کبھی سمندر کا سفر کیا ہے؟ نہیں؟ تو پھر تمہیں میری باتیں سمجھنے میں مشکل ہوگی۔
یہ سب افریقہ کے ساحل پر ہوا۔ افریقہ کے ساحل پر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ طوفانوں کے بعد، سہارا کے ریگزاروں کی مٹی سمندر میں اڑتی ہے اور جہاز کی رستوں پر سفید تہہ جما دیتی ہے۔ ہاں، صاحب، تین سو میل سمندر میں اندر تک میں نے یہ منظر دیکھا ہے۔ اور اگر ہوا کا رخ درست ہو، تو سو میل دور سے بھی جنگلوں کی سڑی ہوتی بدبو آنا شروع ہو جاتی ہے۔

وہ طوفان بہت خوفناک تھا۔ ایسے طوفان روز نہیں آتے۔ ہم نے جہاز کی عرشے پر رکھی لکڑیوں کا بوجھ سمندر میں پھینکنے کی کوشش کی، مگر زنجیریں میں پھنس گئیں۔ ڈچ ملاح مستولوں پر چڑھ کر دعائیں پڑھنے لگے۔ وہ کمزور دل لوگ تھے۔ مگر آئرش ملاح ڈنارہا۔ وہ شیطانی حد تک گالیاں دے رہا تھا۔

اس نے کھاڑی اٹھائی اور کام پر لگ گیا۔ عرشے پر رکھی لکڑیوں کا بوجھ ایک طرف جھک گیا تھا، اور جہاز بھی ایک طرف جھکنے لگا۔ ڈچ لوگ مستولوں پر دعائیں کر رہے تھے، اور آئرش ملاح نیچے عرشے پر کھڑا گالیاں دے رہا تھا۔ ایک بڑی لہر نے اسے جہاز سے بہا دیا، پھر ایک اور لہر نے اسے واپس جہاز پر پھینک دیا۔ میں نے یہ سب اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مگر وہ ہمت نہیں ہارا۔ بلکہ اور زیادہ گالیاں دینے لگا۔ اور آخر کار، اس نے زنجیریں کھول دیں۔

عرشے کا بوجھ سمندر میں جا گرا، اور جہاز سیدھا ہو گیا۔
لیکن موسم مزید بگڑتا ہی گیا۔ آسمان طوفانی ہوا کے گھومتے بادلوں میں بدل چکا تھا، اور سمندر کی لہریں جہاز پر یوں چڑھ دوڑتی تھیں کہ ابھی ایک لہر کا پانی نکالنے کی کوشش کرتے کہ دوسری لہر آ کر ٹکرا جاتی۔

جہاز کا رڈر (ہک) بھی ٹوٹ گیا تھا۔ مجھے لگا کہ سب کچھ ختم ہو گیا، لیکن جہاز پھر بھی بچ گیا۔ ہم ہوا کے زور سے ساحل کے قریب پہنچ گئے۔ جب طوفان تھا، تو ہم نے

ساحل کو دیکھا۔ آسمان کے پس منظر میں کھجور کے درختوں کی ایک قطار نظر آئی۔ بہت اونچے درخت تھے۔ اور ان کے نیچے سبزے کا ایک گھنا جنگل تھا، جو سڑ رہا تھا اور بدبو پھوڑ رہا تھا، جیسے بوسیدہ لکڑی۔

جہاز کا کپتان بہت ظالم تھا۔ وہ واقعی ایک جہنم زدہ انسان تھا، اس میں کوئی شک نہیں کہ مجھے زبردستی اغوا کر کے اس جہاز پر بٹھایا گیا تھا، اور میں واپس جانا چاہتا تھا۔ میرے پاس تیس پاؤنڈ تھے، اور جب شراب کا نشہ میرے دماغ پر چھایا تو مجھے حقیقت کا ادراک ہوا، مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ آخری چیز جو مجھے یاد ہے وہ ایک دلال کا شیطانی مسکراہٹ والا چہرہ تھا، جو نیلی دھند میں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

کھانے کا حال بہت خراب تھا۔ سڑا ہوا۔ اور جہاز کا بوڑھا کپتان... وہ ہوش میں ہوتا تو بھی شیطان تھا، اور نشے میں ہوتا تو اور بھی بدتر ہو جاتا۔ آرش ملاح ہمیشہ گالیاں بٹتا اور کام کرتا رہتا۔ گالیاں اور مشقت، یہی اس کی زندگی تھی۔ ان دونوں کے بیچ ہم جہاز کے باقی لوگ بالکل بھیر بکریوں کی طرح چلانے جا رہے تھے۔

چاند آدھا روشن تھا۔ طوفان کے بعد سمندری ہوا کے ساتھ لہریں بہتی جا رہی تھیں۔ سمندر پر جھاگ نظر نہیں آرہی تھی، بس ہوا پانی کو تہہ در تہہ دھکیلتی جا رہی تھی، یہاں تک کہ ساحل پر پہنچ کر موجیں چودہ فٹ بلند ہو کر ٹوٹنے سے پہلے گولائی میں مڑتی اور کنارے کی طرف دوڑتی تھیں۔

مگر جہاز کے عرشے سے دیکھیں، تو یہ لہریں زیادہ خطرناک نہیں لگتیں۔ کم از کم آدھے چاند کی روشنی میں تو نہیں۔ ہم لوگ کارڈر (جہاز کا ہک) درست کرنے میں مصروف تھے، اور ایک بیڑا پانی میں لٹک رہا تھا۔ میں نگرانی پر تھا، اور جہاز کا بوڑھا کپتان نشے میں بد مست۔ بری طرح مدہوش۔

مجھے نہیں معلوم یہ خیال میرے دماغ میں کب آیا، لیکن ایسا لگتا ہے کہ وہ ہمیشہ سے کہیں چھپ کر بیٹھا تھا۔ جیسے ہی موقع ملا، وہ اچانک سامنے آ گیا۔

میں رسی کے نصف راستے تک اُتر چکا تھا، اس سے پہلے کہ مجھے پوری طرح سمجھ آتا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ میرے ننگے پیر بیڑے پر لگے، اور میرا ملاحی چاقو رسی پر چلنے لگا، اس سے پہلے کہ میں کچھ بھی سوچ پاتا۔

لیکن میں نے ساحل تک پہنچنے کی سوچی۔ تب ہی بدبیر اختیار کر لی تھی—موجوں پر بہتے ہوئے۔ جیسے ہی رسی کٹی، میرے پاس ایک موقع تھا۔ بوڑھا کپتان نشے میں چور جاز کی ریلنگ پر کھڑا موسم کا جائزہ لے رہا تھا—اتنا مدہوش کہ اسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کیا دیکھ رہا تھا، مگر عادت کے مطابق اپنی دھندلی آنکھیں آسمان پر جمائے ہوئے تھا۔

اگر اس نے نیچے دیکھا ہوتا، تو وہ مجھے دیکھ لیتا، چاہے وہ نشے میں تھا۔ وہ صرف اس وقت اپنے ہوش میں آتا، اگر وہ مجھے پکڑ لیتا، تو میں تیار تھا کہ وہ میری کھال اُتار کر لے جائے۔

میں اس سے دور ہوتا رہا۔ چاند جاز کی دوسری طرف تھا، جس کی وجہ سے جاز کا سیاہ سایہ پانی پر پھیل گیا تھا، ایک گہرا دھبہ جو سمندر کی ہموار سطح پر ہل رہا تھا۔ پھر میں اس سائے سے نکل کر سنہری پانی میں آ گیا۔ چاند جاز کے اوپر سے جھانک رہا تھا—اور پھر شارک حرکت میں آئیں۔

میں نے سنا تھا کہ شارک اس وقت حملہ نہیں کرتے جب انسان حرکت کر رہا ہو۔ شاید یہ سچ ہو۔ میں مسلسل حرکت کرتا رہا، ہاتھ اور پیر چلتے رہے۔ بیڑا پانی سے بمشکل ایک یا دو انچ اوپر تھا، اور یہ بہت تنگ تھا۔ شارک سائے کی طرح پانی میں سرسرا رہی تھیں۔ مجھے خوف تھا کہ کہیں وہ میرا ہاتھ یا پیر پکڑ کر نیچے نہ گھسیٹ لیں، مگر ایسا نہیں ہوا۔ میں جسم کے باقی حصے کو پانی سے باہر رکھ سکتا تھا، مگر ہاتھ اور پیر کو ہلانا ضروری تھا تاکہ ساحل تک پہنچ سکوں، اس سے پہلے کہ ہوا اور مد و جزر کا رخ بدل

جائے۔ میں کسی بھی حالت میں اس سمندر میں نہیں بھٹکنا چاہتا تھا—نہ بغیر بادبان کے، نہ کھانے پینے کے—صرف شارکوں کے درمیان۔

جہاز سے وہ لہریں بے ضرر اور سست لگتی تھیں، مگر جب میں قریب آیا، تو وہ بہت بڑی اور خوفناک لگیں۔ وہ اتنی بلند ہوتی کہ زمین کا کوئی نشان، حتیٰ کہ درختوں کی چوٹیاں تک غائب ہو جاتیں۔ جب وہ ٹوٹنے کے قریب پہنچتیں، تو ان کی پھوار آسمان تک پہنچ جاتی۔ پھر وہ پوری شدت سے زمین پر آگرتی۔

لیکن اب میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ شارک، ہوا اور بد و جزر سب میرے خلاف تھے—اور بوڑھا کپتان مجھے زندہ نہیں چھوڑتا۔

میں دو بڑی لہریں پار کر گیا، اور پھر تیسری لہر میرے پیچھے آکر زور سے لگی۔ بیڑا، میں—اور شاید شارک بھی—سب کچھ آپس میں گدڑ ہو گیا۔ میرے پاؤں ریت سے ٹکرائے، مگر نہیں ٹھہر سکے۔

طاقتور پانی کا بہاؤ میرے نیچے سے ریت کھود رہا تھا۔ میں اپنے پیروں کے نیچے سے ریت کو بہتا ہوا محسوس کر سکتا تھا، اور پھر میں پیچھے کی طرف گھنچنے اور نیچے گرنے لگا۔

پانی کے بہاؤ نے مجھے ایک اور لہر کے نیچے کھینچ لیا، کوئی چیز میری پٹھ سے ٹکرا گئی، اور پھر کئی ٹن پانی مجھ پر آگرا۔ اس بار میں سمندر کی تہ میں تھا، ریت اور پانی کے ساتھ لڑھکتا ہوا، جیسے میرے اندر پانی اور ریت اندھیل دی گئی ہو۔ مجھے لگا کہ یہ اختتام ہے، مگر پھر طوفانی ہوا کے جھکڑوں میں ایک لمحہ کی خاموشی آئی، اور دو چھوٹی لہریں مجھے ساحل پر لے آئیں۔

میں زندگی اور موت کے درمیان تھا۔ پانی نے مجھے نیم بے ہوش کر دیا تھا، اور مسلسل مار کھانے سے میرا جسم دکھ رہا تھا۔ میں لڑکھڑاتا ہوا ریت کے کنارے سے جنگل کی طرف بڑھا۔

کچھ فاصلے پر ایک غارتھا، اور میں وہاں جا کر گر پڑا۔ میرے جسم سے پانی اس طرح بہ رہا تھا جیسے بھگیکے ہوئے اسفنج سے رس رہا ہو۔ میرے پھپھڑے، معدہ، اور کان سب پانی سے بھرے ہوئے تھے۔ میں ایک لکڑی کے اوپر جھک کر پانی نکالنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اتنا کمزور تھا کہ ہل بھی نہ سکا۔ میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

جب مجھے ہوش آیا، تو سورج نکلنے کو تھا، اور دھندلی شکلیں میرے ارد گرد گھوم رہی تھیں۔ مجھے لگا یہ سیاہ فرشتے ہیں جو مجھے پکڑنے والے ہیں۔ ان سے ایک باسی، سڑی ہوئی بدبو آرہی تھی، اور وہ میرے ارد گرد آکر بیٹھ گئے تھے۔

پھر میں نے اپنی جلد پر خون بہتے ہوئے محسوس کیا۔ روشنی کچھ اور بڑھ گئی، اور میں نے دیکھا کہ میں ایک چمگادڑوں کے غار میں تھا، اور وہ مجھ پر حملہ کر رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا اور جھنڈکی صورت میں میرے جسم پر بیٹھ کر خون چوسنے لگی تھیں۔

میں نے انہیں ہٹانے کی کوشش کی، مگر یہ ایسا تھا جیسے دھند سے لڑ رہا ہوں۔ کبھی کبھار میں کسی چمگادڑ کو مارنے میں کامیاب ہو جاتا، مگر وہ دور جا کر دوبارہ واپس آ جاتی۔ وہ ہمیشہ اپنی جگہ بدلتی رہیں اور خون چوسنے کے لیے نئی جگہ تلاش کرتی رہیں۔ آخر کار، میں غار سے گھسٹتے ہوئے باہر نکل آیا۔ وہ کچھ دور تک میرا پیچھا کرتی رہیں، مگر جیسے ہی میں روشنی میں آیا، وہ واپس غار کی طرف لوٹ گئیں۔ گرم علاقوں میں سورج جلدی نکل آتا ہے، اور روشنی ان کی آنکھوں کے لیے تکلیف دہ تھی۔ میں ریت پر لڑھک گیا اور بے ہوش ہو گیا۔

جب میں جاگا، تو میں نے قدموں کی آوازیں سنیں۔ ایسا لگا جیسے کوئی فوج آرہی ہو۔ قدموں کی آوازیں ایک خاص ترتیب میں، سست مگر زور سے گونج رہی تھیں۔ ان کی "بوم، بوم، بوم" سن کر میری ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑ گئی۔

میں گھسٹ کر ریت میں مزید اندر سرک گیا، جہاں جھاڑ جھنکار کا سایہ تھا۔ پھر میں نے دیکھا— ننگے مرد اور عورتیں ساحل پر آگئے تھے۔

میں انہیں دیکھتا رہا۔

وہ چاکلیٹی رنگ کے تھے، اور ان کی زبان عجیب اور تیز تھی۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان کے کچھ الفاظ فانی زبان سے تھے، اور کچھ بندروں کی بولی کے ایک جدید ورژن سے۔ فانی زبان کبھی لکھی نہیں گئی۔

یہ تشی (Tshi) زبانوں میں سے ایک ہے۔ آشنائی اور فانی قبائل، اور ان جیسے کچھ اور قبائل، سب اسی زبان کی مختلف شاخیں بولتے ہیں۔ مگر یہ لوگ آدھی فانی اور آدھی بندر نما بولی بول رہے تھے۔

ان کے درمیان ایک عجیب بندر نما انسان بھی تھا۔ وہ بہت عجیب شخص تھا۔ اس کے پورے جسم پر کھر درے بال تھے، اور اس کی ایک چھوٹی سی دم بھی تھی۔ اس کے پیر کے انگوٹھے عام انسانوں جیسے نہیں تھے؛ وہ اس طرح مڑے ہوئے تھے جیسے کسی ہاتھ کا انگوٹھا ہو۔

میں نے اس وقت اس کے پیروں پر دھیان نہیں دیا۔ یہ بات مجھے بعد میں پتہ چلی، جب وہ ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا مجھ پر زہر والا تیر چلانے والا تھا۔ مجھے ہر لمحہ ایسا لگ رہا تھا کہ یہ میری زندگی کا آخری وقت ہے، اور پھر اچانک میری نظر اس کے پیروں پر پڑی، جب اس کے "پیر کے انگوٹھے" شاخ کے گرد لپٹے ہوئے تھے۔ عجیب بات ہے کہ جب انسان موت کے قریب ہوتا ہے، تو وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کو اتنی باریکی سے دیکھنے لگتا ہے۔

خیر، یہ قبیلہ ساحل پر آیا اور پانی میں اتر گیا— مرد، عورتیں، اور بچے سب۔ انہوں نے اپنے جسم کو کمر تک پانی سے دھویا، جیسے یہ کوئی خاص رسم ہو، جیسے کسی مذہبی

بارش کا اسرار

عمل کا حصہ ہو۔ باقی جسم کو وہ پانی میں ڈوبنے نہیں دیتے تھے۔ پھر وہ باہر نکلے اور کسی تیل سے اپنے بازوؤں، سینے اور پہروں پر مالش کرنے لگے۔

باب ۲ زندگی یا موت

آخر کار، سب وہاں سے چلے گئے۔ صرف ایک عورت اور ایک بچہ رہ گئے۔ عورت پانی میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ شاید مچھلی۔ بچہ قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھا تھا، تقریباً آٹھ فٹ کے فاصلے پر۔ وہ ایک چھوٹا بچہ تھا، اس کا پیٹ باہر نکلا ہوا تھا، اور اس کی شکل بڑی عجیب سی تھی۔ میں نے ایک نظر بچے پر ڈالی، پھر عورت پر۔ میں بیمار تھا، بھوکا تھا، اور ہمگا دڑوں کے کانٹے کی وجہ سے خون بہہ رہا تھا۔ جنگل کی بو میرے پھیپھڑوں میں بس چکی تھی، اور مجھے یہ بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں جنگل کی بو سونگھ رہا ہوں یا پھر جنگل خود میرے اندر بس چکا ہے۔ یہ ایک عجیب تجربہ ہے، اور جب تک آپ خود اس سے نہ گزریں، آپ اسے سمجھ نہیں سکتے۔

خیر، مجھے لگا کہ اب یا تو سب کچھ ملے گا، یا کچھ نہیں۔ عورت مجھے مار نہیں سکتی تھی، اور نہ ہی بچہ۔ اور مجھے کسی نہ کسی طرح اپنے وجود کا احساس دلانا تھا تاکہ مجھے کچھ کھانے کو ملے۔

میں نے خود کو ریت سے نکالا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔
"ہیلو!" میں نے کہا۔

بچہ اپنی ایڑیوں پر بیٹھا تھا۔ وہ لپھلا نہیں۔ بس ایک جھٹکے سے ہوا میں اڑ کر اپنی ماں کی پیٹھ پر جا بیٹھا۔ اس کے ہاتھ اس کی ماں کے کندھوں سے جڑ گئے، اور اس کا سر اس کی ماں کی جلد سے لگا تھا۔ اس کی آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں، لیکن اس کا سر ایک انچ بھی نہ ہلا۔

ماں نے تین لمبی چھلانگیں لگائیں اور سیدھا درخت کی ایک شاخ پر جا کر لٹک گئی۔ جنگل کا سبزہ اتنا گھنا تھا کہ وہ فوراً میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ درختوں میں

بندروں کی تیز اور بے معنی آوازیں سنائی دینے لگیں، اور پھر میں نے عورت کی چھٹی آواز سنی جو بندروں کو جواب دے رہی تھی۔ میں ان کی سمت کا اندازہ بندروں کی آوازوں سے لگا سکتا تھا۔

نہیں، مجھے بندروں کی زبان کے الفاظ یاد نہیں۔ میں کبھی بندروں سے بات نہیں کر سکا۔ مگر یہ لوگ کر سکتے تھے۔ میں تمہیں اس بارے میں بتاؤں گا۔ میں نیند کی بیماری اور ان یادوں کے بارے میں بات کر رہا ہوں جو مجھے ہر بار نیند سے جاگنے کے بعد واپس آتی ہیں۔

شاید یہ سب خواب ہو، مگر شاید نہ ہو۔ اگر یہ خواب ہیں، تو جب میں کیپ کو سٹ پہنچا تھا، مجھے کیوں یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں کہاں تھا؟ وہ مجھے وہاں اسٹریچر پر لائے تھے، اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ مجھے کتنی دور سے لائے تھے۔ وہ لوگ مجھے آدھی رات کو چھوڑ کر چلے گئے، مگر اگلی صبح زمین پر موجود نشانات سب کے لیے حیرانی کا باعث بن گئے۔ وہ نشان جو وہاں موجود کسی انسان نے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے۔

افریقہ میں بہت سی عجیب چیزیں ہیں، اور یاد رکھو، یہ سب اس وقت کی بات ہے جب میں جوان تھا۔ میں ایک طاقتور اور بے خوف نوجوان تھا۔ میں کچھ بھی کرنے کے لیے تیار تھا۔ چاہے مغربی افریقہ کے ساحلوں پر بیڑے پر سوار ہو کر پہنچا ہو، یا فانیٹی جنگجوؤں کا سامنا کرنا ہو۔ مگر ان باتوں کی تفصیل بعد میں دوں گا۔

خیر، عورت وہاں سے بھاگ گئی، اور پھر بندر آ گئے۔ وہ درختوں پر ادھر ادھر پھلانگیں مارنے لگے اور اپنی زبان میں مجھ پر چلانے لگے۔ میں چاہتا تھا کہ میں بھی ان کی طرح ان سے بات کر سکوں، مگر بندروں کی زبان زیادہ تر آوازوں اور اشاروں پر مشتمل ہوتی ہے۔

پھر چیونٹیاں بھی وہاں تھیں۔ بڑی، لمبی، اور بالوں والی چیونٹیاں جو تقریباً دو انچ تک لمبی ہوتی تھیں۔ یہ چیونٹیاں لکڑیوں سے گھر بناتی تھیں جو تیس فٹ تک بلند

ہوتے تھے۔ یہ چونٹیاں سونے کی کان کی نگرانی کرتی تھیں، اور وہاں صرف دو لوگ جا سکتے تھے—ایک لک-لک، جو انہیں کھلاتی تھی، اور دوسرا سنا جو سونے کا کام کرتا تھا۔

سنا ایک غلام تھا، جو غلام بردار جہاز کے ذریعے ساحل پر آیا تھا۔ باقی لوگ بخار سے مر گئے تھے، لیکن مقامی لوگوں نے سنا کو ایک خاص دوا دی تھی جس نے اسے بچا لیا۔ وہ شاید میری مدد بھی کر سکتے تھے، مگر بندر نما انسان میرا دشمن بن چکا تھا، وہ لک-لک کو اپنے لیے رکھنا چاہتا تھا۔

آخر کار، میں نے دوبارہ قدموں کی آوازیں سنیں اور قبیلے کے جٹو آ گئے۔ ان کے پاس لمبے نیزے اور چھوٹے تیر کمان تھے۔ تیر بہت پتلے تھے، جیسے پنسل، اور دیکھنے میں اتنے خطرناک نہیں لگتے تھے، مگر ان کی نوک پر ایک عجیب سی چمک تھی۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ لوگ تیر کی نوک پر زہر لگاتے ہیں اور پھر اس زہر کو لکڑی میں جذب کرنے کے لیے پکاتے ہیں۔ ایک معمولی سی خراش بھی کسی انسان یا جانور کو مار ڈالتی ہے، مگر حیرت کی بات یہ تھی کہ زہر صرف خون میں اثر کرتا تھا، گوشت پر نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شکار کیے گئے جانور یا انسان کا گوشت کھایا جاسکتا تھا، اور وہ دونوں کو کھاتے تھے۔

مجھے سمجھ آ گیا کہ مجھے کچھ کہنا پڑے گا۔ تمام مرد سنجیدہ اور عزت دار نظر آ رہے تھے—صرف بندر نما انسان کے علاوہ، جو دائرے کے باہر اچھل کود کر رہا تھا۔ وہ دوپیروں پر سیدھا نہیں چل سکتا تھا، اور اکثر توازن قائم کرنے کے لیے کھٹنوں کے پیچھے ہاتھ رکھتا تھا۔ وہ زمین پر تیزی سے پھسل سکتا تھا، اور اس کے بازو بہت لمبے تھے، جن پر گھنے بال تھے۔ اس کی ہتھیلیوں کے اندرونی حصے بہت موٹے، کالے اور جھریوں والے تھے۔

آخر کار، میں نے تقریر شروع کی۔

میں نے ان سے کہا کہ میں بہت مضبوط ہوں، اور چونکہ میں دُبلّا پتلا ہوں اور چمگا دڑوں کے کاٹنے سے شاید زہر آلود ہو چکا ہوں، اس لیے میں انہیں مشورہ دیتا ہوں کہ مجھے پکانے کی غلطی نہ کریں۔ میں نے بتایا کہ میں ان کا دشمن نہیں ہوں، بلکہ اس بڑے جہاز سے بچ کر آیا ہوں جو ساحل کے قریب کھڑا تھا۔

مجھے لگا وہ میری بات سمجھ گئے ہیں کیونکہ کچھ لوگ جہاز کی طرف دیکھ رہے تھے۔ لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ میری بات نہیں سمجھ سکے۔ انہوں نے جہاز کو دیکھا، مجھے دیکھا، اور میرے کپڑوں پر لگے ہوئے خشک سمندری پانی کو دیکھ کر خود ہی کہانی کا اندازہ لگایا تھا۔

جب میں نے اپنی بات ختم کی، تو میں نے ان سے تالیاں بجانے کی امید نہیں کی تھی، کیونکہ ان کے ہاتھ میں نیزے اور تیر کمان تھے۔ لیکن میں نے سوچا شاید وہ مسکرا دیں گے۔

وہ سب ایک دائرے میں کھڑے تھے — ننگے بدن، سنجیدہ، اور پراسرار انداز میں۔ ان کے دونوں گالوں پر تین تین زخموں کے نشان تھے، جو انہیں خوفناک شکل دے رہے تھے۔

پھر بندر نما انسان نے ایک لمبی پھلانگ لگائی اور درختوں میں جا پہنچا۔ بندر قریب آ کر اپنی خاص زبان میں چیخنے لگے، اور وہ بھی ان کے ساتھ آوازیں نکالنے لگا۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ بندروں کو میرے بارے میں بتا رہا ہو، مگر چونکہ میں کبھی بندروں کی زبان نہیں سیکھ پایا، اس لیے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔

اسی دوران، جنگل سے اچانک ایک لڑکی کی آواز آئی — اور وہ انگریزی بول رہی تھی۔

"خاموش رہو، میں اپنے والد سے بات کروں گی،" اس نے کہا۔

تم سوچ سکتے ہو کہ میں نے کتنی حیرانی محسوس کی ہوگی۔ گہرے جنگل میں اچانک انگریزی بولتی ہوئی ایک لڑکی کی آواز سن کر! مگر مجھے فوراً پتہ چل گیا کہ وہ گوری لڑکی نہیں تھی۔ اس کی آواز میں ایک خاص لہجہ تھا، اور اس کے الفاظ ایسے تھے جیسے وہ ہونٹوں سے نرمی سے بول رہی ہو۔

پھر ایک لمحے کے لیے جنگل کی طرف سے کچھ اور آوازیں سنائی دیں۔
پھر مکمل خاموشی چھا گئی، اور کچھ دیر بعد وہ لڑکی پھر بولی۔
"وہ سنار کو بلانے گئے ہیں۔ وہ تم سے بات کرے گا۔"

مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ کون تھے اور سنار کون ہے۔ میں نے جنگل کی طرف دیکھنے کی کوشش کی، مگر مجھے صرف درختوں کے تنے، پتے اور بیلوں کی جھاڑیاں نظر آئیں۔ ایک ہلکی نیلی دھند ہر طرف پھیل چکی تھی، اور آسمان تک فضا سفید دکھائی دے رہی تھی۔ بہت اونچی اور صحرا کی گرد سے بھری ہوئی۔ لیکن نیچے زمین کے قریب جنگل کی مخصوص بو پھیل رہی تھی۔

میرے ارد گرد وہ دائرہ بدستور موجود تھا۔ سب ننگے بدن، خاموش، اور ایک بھی شخص نے حرکت نہ کی۔

میں سوچ رہا تھا کہ یہ سنار کون ہوگا؟ اور یہ لڑکی کون تھی؟
پھر میں نے پیچھے قدموں کی آواز سنی، اور جھاڑیاں ایک طرف ہو گئیں۔ مجھے کسی چیز کے جلنے کی بو آئی، یہ تمباکو نہیں تھا، لیکن اس میں تمباکو جیسی خوشبو تھی۔

ایک شخص دائرے میں آیا، اور وہ حقہ پی رہا تھا۔
"کیسے ہو؟" اس نے کہا اور ہاتھ بڑھایا۔

وہ ایک گورا آدمی تھا۔ یا شاید آدھا گورا۔ اس نے عجیب سے کپڑے پہن رکھے تھے، جو جانوروں کی کھال سے بنے ہوئے تھے، مگر بہت عجیب انداز میں تیار کیے

گئے تھے۔ اس نے کھال سے بنی ہوئی ایک ٹوپی بھی پہنی تھی، جس کا کنارہ سبز کھال سے تھا، اور بال صاف کر کے اسے بنایا گیا تھا۔

وہ مٹی کے حقے سے دھواں نکال رہا تھا، اور اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی خاموشی تھی — ایسا لگتا تھا جیسے وہ بے جذبات ہو، جیسے وہ صرف ایک انسان نہیں، بلکہ ایک مشین ہو۔

میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"یہ مجھے کھا جائیں گے؟" میں نے پوچھا۔

اس نے کچھ دیر تک خاموشی سے حقہ پیا، پھر پائپ منہ سے نکال کر سر ہلایا اور کہا، "ہاں، بالکل!"

اس کا جواب میرے لیے حوصلہ افزا نہیں تھا۔

اسی دوران دور جنگل سے لڑکی کی آواز آئی،

"حوصلہ رکھو، میں اپنے والد سے بات کروں گی۔"

لگ رہا تھا کہ وہ کہیں قریب کھڑی ہو، مگر میں اسے دیکھ نہیں پا رہا تھا۔

میں نے پھر حقہ پینے والے آدمی سے بات کی اور اسے اپنی کہانی سنائی۔ اس نے

میری بات دائرے میں بیٹھے مردوں کو بتائی، مگر وہ سب چپ رہے۔

آخر کار، ایک بوڑھا شخص زیر لب بڑبڑایا۔ جیسے ہی اس نے آواز نکالی، وہ سب

اپنی ایڑیوں کے بل بیٹھ گئے اور مجھے گھورنے لگے۔

پھر جنگل میں کھڑی لڑکی نے دوبارہ اپنی زبان میں کچھ کہا۔ بوڑھا آدمی دھیان سے

اس کی بات سنتا رہا، مگر باقی سب کچھ نہ سنے، بس مجھے گھور رہے تھے، اور ان سب

کے چہرے ایک جیسے تھے۔

مجھے ایسا لگا کہ وہ میری شکل و صورت کو دیکھ کر متحسّس نہیں تھے، بلکہ وہ میرے

ذائقے میں دلچسپی لے رہے تھے۔

پھر سنار نے اپنے حقے میں مزید بھورے رنگ کے پتے ڈالے اور دھواں نکالا۔
"لڑکی نے تمہیں اپنا غلام بنانے کا دعویٰ کیا ہے،" اس نے کہا۔

"یہ لڑکی کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"بیک-بیک" اس نے جواب دیا۔

مجھے سمجھ نہیں آیا کہ وہ مجھے اس کا نام بتا رہا تھا یا خاموش رہنے کو کہہ رہا تھا۔

خیر، میں نے سوچا کہ غلام بننا کھانے سے بہتر ہے، اس لیے میں خاموش ہو گیا۔

پھر درختوں میں چھپے بندر نما انسان نے دوبارہ شور مچانا شروع کر دیا۔

قبیلے کے لوگوں نے اوپر نہیں دیکھا، مگر میں جانتا تھا کہ وہ اس کی بات سن رہے

تھے۔ جب وہ خاموش ہوا، تو لڑکی نے دوبارہ کچھ کہا۔

پھر بندر نما انسان نے ایک اور بات کی، اور لڑکی نے پھر جواب دیا۔

حقے والا آدمی مسلسل دھواں نکال رہا تھا۔ اس کی آنکھیں تھکی تھکی اور جھریوں

سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ واقعی عجیب شخص تھا۔

آخر کار، وہی بوڑھا شخص جس نے پہلے بڑبڑاتے ہوئے سب کو بیٹھنے پر مجبور کیا تھا،

ایک اور آواز نکالی اور سب کھڑے ہو گئے۔

"اب فیصلہ کن لمحہ ہے،" میں نے خود سے کہا۔ "اب یا تو میں غلام بنوں گا، یا

کھانے کا حصہ۔"

بوڑھے آدمی نے مجھے غور سے دیکھا اور پلکیں جھپکائیں۔ پھر اس نے اپنے

ہونٹ اندر کھینچ لیے، اور اس کا چہرہ جھریوں میں سمٹ گیا۔ اس کی آنکھوں میں پلکیں

نہیں تھیں، لیکن وہ پھر بھی انہیں جھپکانے لگا، اور دوبارہ غرایا۔

پھر سب جنگل کی طرف چل پڑے۔ میں نے ان کے نیگے پاؤں کی آوازیں سخت

زمین پر سنی۔ وہ ایک خاص راستے پر جا رہے تھے جو نیگے قدموں سے اتنا سخت ہو چکا

تھا۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ راستہ سو سال سے زیادہ وقت سے استعمال ہو رہا تھا، اور بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ ہر روز اس پر سفر کیا جائے تاکہ زمین سخت رہے۔
 "شاید میں اب کھانے کے کام آ جاؤں گا،" میں نے سوچا۔ مجھے لگا اگر میں غلام بن رہا ہوتا، تو سنار مجھے بتا دیتا، مگر وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ خاموشی سے چل پڑا تھا۔
 بندر نما انسان ابھی بھی گروہ کے ساتھ بات کر رہا تھا، مگر وہ زمین پر نہیں چل رہا تھا، بلکہ درختوں کی شاخوں میں چھلانگ لگا کر ان کے سروں کے اوپر سے جا رہا تھا، اور مسلسل بولے جا رہا تھا۔

اس کی آواز خوشگوار نہیں تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ سب کو ڈانٹ رہا ہو، بالکل جیسے کوئی بندر کسی کو ناریل کھاتے دیکھ کر غصے میں شور مچاتا ہے۔
 پھر بوڑھا سردار ایک مرتبہ غرایا، اور بندر نما انسان فوراً خاموش ہو گیا، جیسے کسی نے اس کے منہ پر تالا لگا دیا ہو۔

لیکن وہ بہت ناراض تھا، اور میں یہ جانتا تھا کیونکہ اس نے درختوں میں بجلی کی سی تیزی سے دو بندروں کا پیچھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ انہیں تقریباً پکڑ ہی چکا تھا۔ درختوں میں ہلچل مچ گئی، شاخیں ٹوٹنے لگیں اور آوازیں آنے لگیں، پھر وہ دھیمی ہو گئیں، اور آخر کار سب کچھ خاموش ہو گیا۔

میں نے ادھر ادھر نظر دوڑائی۔

اب وہاں کوئی نہیں تھا۔

میں ساحل کے کنارے، جنگل کی سرحد پر اکیلا کھڑا تھا۔ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔
 پھر اچانک جنگل کے پتوں کی سرسراہٹ سنائی دی — اور وہ باہر آئی۔
 وہ گھاس کا اسکرٹ پہنے ہوئی تھی، اور اس کی آنکھیں بہت عجیب تھیں۔

کیا تم نے کبھی بندروں کی آنکھیں دیکھی ہیں؟ وہ گول ہوتی ہیں، ان کے کونے نہیں ہوتے اور ان کی سطح چمکدار اور نمی سے بھری ہوتی ہے، جیسے وہ کسی مائع سے بنی ہوں۔ اس کی آنکھیں بالکل ایسی ہی تھیں۔

باقی ہر لحاظ سے وہ عام قبیلے کی عورتوں جیسی تھی۔ اس کی جلد کالی نہیں، بلکہ سانولی تھی، اور بے حد نرم اور چمکدار—چاکلیٹ کے ریشمی ٹکڑے کی طرح۔
 "میں یک-یک ہوں، یک-یک کی بیٹی اور سونے کی کان کی محافظ ہوں،" اس نے کہا۔ "میں نے سنار کی زبان سیکھ لی ہے۔ تم بھی وہی زبان بولتے ہو، اس لیے تم میرے غلام ہو۔"

"شکر ہے، کم از کم مجھے کھانے کے لیے نہیں بنایا گیا،" میں نے کہا۔
 (یہ بات تب کی ہے جب ڈاکٹروں نے کیلوریز دریافت نہیں کی تھیں۔ لیکن اس وقت، میں خود کو کسی کمزور سی کیلوری جیسا بھی نہیں لگ رہا تھا، تو پھر طاقتور قبیلے کے جنگجو کے لیے خوراک بننے کی بات تو دور کی تھی)!

"تم میرے غلام رہو گے،" اس نے کہا۔ "لیکن اگر تم میرے والد کو جانوروں کی کھالیں بطور فدیہ دو گے، تو تم اپنی آزادی خرید سکتے ہو اور پھر تم جنگجو بن جاؤ گے۔"
 "میں نے کبھی کسی عورت کا غلام نہیں بنایا،" میں نے جواب دیا۔ (میں ان لوگوں میں سے تھا جو ہمیشہ شادی کے بندھن سے بچتے رہے تھے!) "لیکن تمہارا غلام بننا، اُس جہاز کے بوڑھے کپتان کا غلام بننے سے کہیں بہتر ہے!"

اس میں کچھ جھجک بھی تھی، مگر ساتھ ہی فخر اور وقار بھی۔
 "میں نے اپنے والد سے وعدہ کیا ہے کہ اگلے شکار میں اپنا حصہ دے کر میں تمہیں قبیلے سے خریدوں گی،" وہ بولی۔

"شکریہ،" میں نے جواب دیا کیونکہ مجھے لگا کہ کچھ کہنا چاہیے۔ لیکن میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیا ایک آزاد سفید فام آدمی واقعی اس عورت کا شکریہ ادا کرے گا جس نے اسے غلام بنالیا؟

"چلو،" اس نے کہا اور مڑ کر چل دی۔

اب مجھے اس کو پیچھے سے دیکھنے کا موقع ملا۔ وہ لچکدار اور بہت پرکشش تھی۔ اس کی چال میں ایک خاص شان تھی، اور اس کے کندھوں کی حرکت سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی شاہی خاندان کی فرد ہے اور اسے اس بات کا مکمل احساس بھی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ دنیا کے کسی بھی کونے میں جاؤ، کسی بھی نسل کے لوگ ہوں، جب ان میں شاہی خون آتا ہے، تو ان میں وہ خاص وقار آ جاتا ہے۔ میں نے یہ ہر جگہ دیکھا ہے۔

میں اس کے پیچھے جنگل میں داخل ہو گیا۔ وہاں شاخوں کے نیچے سورج کی روشنی کم ہو گئی تھی، مگر سارا دن سبز روشنی سے بھرا ہوا لگ رہا تھا۔ آخر کار، ہم جنگل عبور کر کے ایک کھلی جگہ پر پہنچے۔ وہاں ایک بڑا میدان تھا جس کے ارد گرد جھونپڑیاں تھیں اور بیچ میں ایک بڑی آگ جل رہی تھی۔ قبیلے کے لوگ وہاں موجود تھے، اور دو دو یا تین تین کے گروپوں میں اپنی روزمرہ کی سرگرمیوں میں مصروف تھے، جیسے کچھ بھی نہ ہو رہا ہو۔ اب میں بھی اس قبیلے کا حصہ بن چکا تھا—کک—کک کا غلام۔

زیادہ تر عورتیں مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھیں، اور جب میں بچوں کی طرف دیکھتا، تو وہ بھاگ جاتے۔ مگر بس یہی سب کچھ ہوا—اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مردوں نے مجھے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا۔

باب ۳ سونے کے محافظ

لڑکی مجھے ایک جھونپڑی میں لے گئی۔ ایک کونے میں لکڑی کا ایک فریم تھا، جس پر جانوروں کی کھالیں لٹکی ہوئی تھیں۔ وہاں مختلف قسم کی کھالیں تھیں—کچھ مجھے پہچان میں آئیں، مگر زیادہ تر مجھے اجنبی لگیں۔

لڑکی نے چیخ جیسی آواز میں کچھ کہا، پھر ایک بوڑھی عورت آئی اور مجھے پھل دے کر دیے۔

میں بھی مقامی لوگوں کی طرح ایڑیوں کے بل بیٹھ کر پھل کھانے کی کوشش کرنے لگا۔ میرا پیٹ نمکین پانی اور ریت سے بھرا ہوا تھا، مگر پھل کا ذائقہ اچھا تھا۔ پھر انہوں نے مجھے آدھے ناریل کے خول میں ایک کریمی سی مائع چیز دی، جس میں بلبے اٹھ رہے تھے۔ اس کا ذائقہ تھوڑا کھٹا تھا، مگر اس میں ایک خاص اثر تھا۔ اسے پینے کے دس منٹ بعد، میرے سر میں ایک زور کا جھٹکا لگا، جیسے کسی خچر کی لات لگ گئی ہو۔

"چلو،" لڑکی نے کہا اور مجھے کھلے میدان کی طرف لے گئی۔

میں اس کے پیچھے چل دیا۔ ہم ایک راستے پر جنگل سے گزرے، ایک جھیل کے کنارے سے ہوتے ہوئے ایک چھوٹے سے دزے میں پہنچے۔ یہاں درخت اور بھی گھنے ہو گئے تھے، سوائے دزے کی دیواروں کے، جہاں کچھ مٹی کے تودے گرے ہوئے تھے، اور ایک دو جگہوں پر چٹان بالکل کھلی ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد، ہر طرف صرف چٹان ہی چٹان تھی۔

اور پھر میں نے کچھ ایسا دیکھا کہ میری آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ ایک چٹان کا کنارہ تھا جس میں کوارٹز کی ایک دراڑ تھی۔ اس دراڑ میں سونے کے چمکتے ذرات

بھرے ہوئے تھے، اور درمیان میں یہ خالص سونا تھا۔ کواریٹز نرم تھا، اس کے ٹکڑے زمین پر بکھرے ہوئے تھے۔

یہاں کی جھاڑیاں صاف کی گئی تھیں، اور زمین سخت تھی۔ ایک آگ چٹان کے قریب جل رہی تھی، اور اس کے قریب کچھ مٹی کے مرتبان رکھے ہوئے تھے۔ ایک بڑا سادھو ننھی نما آگ بھی تھا، جو موٹے چمڑے سے بنایا گیا تھا۔ یہ کافی بڑا تھا، مگر ساری ہوا ایک چھوٹے سے کھوکھلے لکڑی کے ٹکڑے سے باہر نکلتی تھی جو اس کے سامنے تھا۔

میں نے کواریٹز کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔ پتھر میری انگلیوں میں ریزہ ریزہ ہو گیا، اور خالص سونا میری ہتھیلی میں آ گیا۔ سونے کے ذرات پتھر کے اندر نازک درخت کی طرح بکھرے ہوئے تھے۔ میں نے جو ٹکڑا مسلاتھا، اس میں کم از کم پچاس ڈالر کی قیمت کا سونا تھا۔

میں نے فوراً اپنے ہاتھوں سے سونا اپنی پھٹی ہوئی قمیض میں چھپایا۔ لڑکی مجھے اپنی بڑی، پُراسرار آنکھوں سے دیکھ رہی تھی، مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ میرے اور سونے کی دراڑ کے درمیان ایک بڑا ڈھیر پڑا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ شاید لکڑیاں ہیں جو آگ جلانے کے لیے رکھی گئی ہیں۔ مگر جیسے ہی میری آنکھوں نے ماحول کو سمجھا، میں نے ان لکڑیوں کو حرکت کرتے ہوئے دیکھا۔

میں نے دوبارہ دھیان سے دیکھا، اور پھر مجھے ایک اور چیز نظر آئی۔ یہ ایک بہت بڑا چیونٹیوں کا ڈھیر تھا، جو لکڑیوں اور بُراڈے سے بنایا گیا تھا۔ کچھ لکڑیاں آٹھ سے دس انچ لمبی اور آدھی انچ موٹی تھیں۔ یہ پورا علاقہ چیونٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ان کے سر لکڑیوں کے درمیان سے چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے نکل رہے تھے۔

"یہ چیونٹیاں بہت بڑی ہیں!" میں نے سوچا، لیکن میرا دماغ ابھی بھی سونے کی دراڑ پر تھا۔ وہاں بہت ساری دولت چھپی ہوئی تھی۔ میں سونے کی طرف دو قدم بڑھا رہا تھا—اور اچانک وہ چیونٹیاں تودے سے باہر نکل آئیں۔

یہ چیونٹیاں بہت بڑی تھیں، سفید روئی جیسے نظر آ رہی تھیں، اور وہ ایک ساتھ باہر نکلیں جیسے کسی نے انہیں حکم دیا ہو۔

لڑکی نے تیز آواز میں کچھ کہا، لیکن مجھے نہیں پتہ تھا کہ وہ مجھ سے بات کر رہی تھی یا چیونٹیوں سے۔

چیونٹیاں دو قطاروں میں تقسیم ہو گئیں، ہر قطار میں آٹھ یا دس چیونٹیاں برابر چل رہی تھیں، اور وہ میری طرف بڑھنے لگیں۔ ایک قطار بائیں طرف سے اور دوسری دائیں طرف سے آ رہی تھی۔

پھر اچانک وہ رک گئیں۔

لڑکی تیزی سے میرے قریب آئی، اس نے اپنے بازو میرے کندھوں کے ارد گرد لپیٹے اور میرے بالوں کو سہلانے لگی۔ وہ میرے کان کے قریب کچھ سرگوشی کر رہی تھی۔ مجھے لگا جیسے وہ پاگل ہو گئی ہے۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا، لیکن اس کی نظریں مجھ پر نہیں تھیں۔ وہ خوف سے پھیلی ہوئی آنکھوں سے چیونٹیوں کو دیکھ رہی تھی۔

اور چیونٹیاں بھی اسے دیکھ رہی تھیں۔ میں اس کی بڑی بڑی آنکھیں دیکھ سکتا تھا، جوان پر مرکوز تھیں۔ پھر کچھ ایسا ہوا جیسے کسی نے انہیں خاموشی سے کوئی حکم دیا ہو، اور اچانک، جیسے فوجی کسی حکم پر سلامی دیتے ہیں، وہ اپنی لمبی مونچھیں اٹھا کر آہستہ آہستہ ہلانے لگیں۔

پھر لڑکی نے میرا بازو پکڑا اور مجھے وہاں سے لے جانے لگی۔

"مجھے تمہیں پہلے بتانا چاہیے تھا،" اس نے کہا۔ "اس راستے کے قریب کبھی مت جانا۔ یہ چیونٹیاں سونے کی دھات کی محافظ ہیں، اور جو کوئی بھی ان کے قریب آتا ہے، وہ اس پر حملہ کر دیتی ہیں۔ ان سے بچنا ممکن نہیں۔ میں تمہیں یہاں اس لیے لائی تھی تاکہ تم خوراک کی تیاری میں میری مدد کر سکو۔ اب ہم انہیں خوراک دیں گے۔"

یہ سب کچھ مجھے عجیب لگ رہا تھا، مگر اس پوری صورتحال میں سب کچھ ہی مختلف تھا۔

"دیکھو،" میں نے لڑکی سے کہا، "میں کچھ وقت کے لیے تمہاری مدد کرنے کو تیار ہوں، لیکن میں کسی چیونٹیوں کے تودے کا غلام نہیں بنوں گا۔"

"تم سے ایسی کوئی توقع نہیں کی جا رہی،" اس نے کہا۔ "چیونٹیوں کو خوراک دینا ایک مقدس رسم ہے، یہ ایک اعزاز کی بات ہے۔ تم میری مدد کرو گے، لیکن دوبارہ کبھی اتنے قریب مت جانا۔"

میں گہری سوچ میں پڑ گیا۔ میں ان چیونٹیوں سے الجھنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا، لیکن میں کسی نہ کسی طرح سونے کی دراڑ تک پہنچنے کا طریقہ ضرور نکالنا چاہتا تھا۔

لڑکی مجھے جنگل میں ایک جگہ لے گئی، جہاں ایک ڈھیر پھلوں کا دھوپ میں سوکھ رہے تھے۔ یہ ایک عجیب سا پھل تھا، جس سے مالے کی خوشبو آرہی تھی، مگر ساتھ ہی شہد کی خوشبو بھی محسوس ہو رہی تھی۔

"اپنی بانہوں میں بھر لو،" اس نے کہا۔

یہ میری زندگی میں غلامی کا پہلا تجربہ تھا، لیکن مجھے ایسا محسوس نہیں ہوا جیسے میں غلام ہوں۔ بس یہ تھا کہ کام تھوڑا سا آسان تھا۔

میں نے جتنا ہو سکا، اتنے پھل اپنی ہانہوں میں بھر لئے۔ اس کی خوشبو نے مجھے تھوڑا سا چکرایا، مگر جلد ہی میں اس کا عادی ہو گیا۔ لڑکی نے بھی کچھ پھل اٹھائے اور ہمیں چیونٹیوں کے تودے کی طرف لے گئی۔

اس نے مجھے حکم دیا کہ میں اپنا بوجھ نیچے رکھوں اور دکھایا کہ ان پھلوں کو ایک لمبی قطار میں کیسے رکھنا ہے۔

میں دیکھ سکتا تھا کہ چیونٹیاں اپنے تودے کے سوراخوں سے ہمیں بغور دیکھ رہی تھیں، مگر وہ کچھ نہیں کر رہی تھیں۔ بس دیکھ رہی تھیں۔

آخر کار، لڑکی نے اپنی زبان اور دانتوں سے ایک عجیب سی ہلک کی آواز نکالی، اور چیونٹیاں پھر تیزی سے باہر نکل آئیں۔ اس بار وہ پھل کی طرف قطار میں بڑھیں، جیسے کوئی بڑا بحری جہاز کے مسافر اپنی نشستوں پر جا رہے ہوں۔ کچھ چیونٹیاں پہلی قطار میں تھیں، جیسے انہیں پہلے کھانے کی اجازت ہو، اور باقی گارڈ کی ڈیوٹی پر رہیں۔

پھر شاید چیونٹیوں کی طرف سے کوئی اشارہ ہوا، کیونکہ لڑکی نے کچھ نہیں کہا تھا، مگر پہلی قطار کی تمام چیونٹیاں پیچھے ہٹ گئیں اور پہرہ دینے لگیں، جبکہ دوسری قطار آگے بڑھ کر پھل کھانے لگی۔

یہ عمل کئی بار دہرایا گیا۔ میں حیرت سے اتنا مگن تھا کہ کچھ کہہ نہ سکا۔ کچھ دیر بعد، مجھے قدموں کی آواز سنائی دی، اور وہ بوڑھا سنار آتا دکھائی دیا۔ وہ ایک خاص طریقے سے اپنا حقہ گڑگڑاتے ہوئے چل رہا تھا۔ ہر دو قدم پر ایک کش لیتا۔ مجھے وہ پہاڑی ڈھلوان سے نیچے آتی مال گاڑی کی طرح لگ رہا تھا، جو پابندی سے چل رہی ہو۔

اس نے نہ مجھ سے کچھ کہا، نہ چیونٹیوں سے، مگر چیونٹیوں نے اس کی آمد سن لی۔ وہ سب دو قطاروں میں سیدھی ہو گئیں، چیونٹیوں کی موچکھیں آہستہ آہستہ لہرا رہی تھیں،

اور وہ سنار سیدھا ان کے درمیان سے گزرتا ہوا سونے کی دراڑ کی طرف چلا گیا۔ وہاں اس نے آگ میں مزید لکڑیاں ڈالی، کچھ راکھ ہٹائی، اور کونلوں کا فرش صاف کیا۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ہتھوڑا اور سرخ دھات کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس نے چمڑے کی چادر پیچھے ہٹائی، اور نیچے خالص سونے کے ٹکڑے اور لمبے دھاگے نظر آئے۔ وہ اتنا خالص تھا کہ اس پر برف کی سی چمک تھی، جیسے شبنم جمی ہو۔

سنار نے کچھ ٹکڑے اٹھائے اور انہیں زیورات بنانے کے لیے ہتھوڑے سے ٹھوکے لگا۔

"تم لوگ اس دھات کا کیا کرتے ہو؟" میں نے لڑکی سے سوال کیا، تھوڑا لاپرواہی سے، تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ میں زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔

"ہم اسے فانی قبیلے کے لوگوں سے تجارت میں استعمال کرتے ہیں،" اس نے بتایا۔ "یہ ہمارے کام کا نہیں—یہ دھات بہت نرم ہے، ہتھیار بنانے کے لیے مناسب نہیں، اور تیر کی نوک کے لیے بہت بھاری ہے۔ مگر وہ اسے اپنی انگلیوں اور ٹخنوں میں پہنتے ہیں۔ ہم ان سے اس کے بدلے بہت سی کھالیں لیتے ہیں، اور کبھی بھار وہ ہماری زمین پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ یہ سونے کی دراڑ ان کے ہاتھ آجائے۔ اگر میری مرضی ہوتی، تو ہم زیورات بنانا بند کر دیتے۔ ہمارے لوگ اس دھات کو پسند نہیں کرتے اور کبھی استعمال نہیں کرتے۔ اسے یہاں رکھنا بس مشکلات کو دعوت دینا ہے، اور فانی لوگ بہت وحشی ہیں۔ وہ ہمارے پورے قبیلے کو تباہ کر رہے ہیں۔"

میں نے سر ہلایا، جیسے میں کسی گہرے جنگل میں بیٹھا کوئی عقلمند پرندہ ہوں۔ "ہاں،" میں نے کہا، "یہ دھات ہمیشہ مسائل ہی لاتی ہے۔ میرے خیال میں تو ہمیں اسے یہاں سے نکال دینا چاہیے۔"

بوڑھے سنار نے سر اٹھایا، اپنا حق منہ میں ڈالا، اور اپنی دھندلی آنکھوں سے مجھے بغور دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو، مگر پھر وہ خاموشی سے اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

یہ ایک نازک لمحہ تھا۔ اسی وقت میں نے سمجھا کہ میں زیادہ جلدی کر رہا ہوں۔ لیکن میری نظریں سونے کی دراڑ پر جمی ہوئی تھیں۔

شاید میری جان فانی قبیلے کے کسی آدمی نے بچائی۔ اگر میں نے انہیں نہ دیکھا ہوتا، تو وہ چیونٹیاں ضرور مجھے مار دیتیں۔

جب میں نے پہلی بار انہیں فوجی انداز میں قطاروں میں نکلتے دیکھا، تو وہ بہت خوفناک لگ رہی تھیں، مگر رات تک وہ اتنی بری نہیں لگیں۔

میں نے پورے معاملے پر سوچنا شروع کیا۔ غلام ہونا اتنا برا نہیں تھا جتنا کہ میں نے سوچا تھا، اور کسی دن میں یہاں سے نکل کر جنگل میں غائب ہو جاؤں گا، پھر کسی بندرگاہ تک پہنچنے کی کوشش کروں گا۔ بس اتنا کرنا تھا کہ جاتے وقت نوے پاؤنڈ خالص سونا اپنی پیٹھ پر لاد لوں، پھر مجھے کبھی ملاجی کا کام نہیں کرنا پڑے گا۔

گرم رات میں، جب باقی سب اپنی جھونپڑیوں میں جا چکے تھے، میں باہر بیٹھا سوچ رہا تھا۔ غلام ہونے کے باعث مجھے کوئی جھونپڑی نہیں ملی تھی—مجھے باہر ہی سونا تھا۔ اگر جنگلی جانور خطرہ بننے لگتے تو میں یا تو آگ کو زیادہ بھڑکا سکتا تھا یا کسی درخت پر چڑھ سکتا تھا۔ یہاں میرے جیسے پچاس سے ساٹھ غلام تھے، زیادہ تر دوسرے قبائل کے قیدی جنگجو، اور حقیقت میں یہ اتنا برا بھی نہیں تھا۔

جنگل میں ایک ایسی جگہ تھی جہاں پہاڑیاں ایک تنگ راستہ بناتی تھیں، اور قبیلے کے پھرے دار وہاں چوکی سنبھالے رہتے تاکہ فانی قبیلے کے لوگ اندر نہ آسکیں اور غلام باہر نہ جاسکیں۔ بغیر کسی راستے کے جنگل میں سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔

یہ سب میں نے آدھا لڑکی سے سنا اور آدھا اپنی آنکھوں سے دیکھ کر سمجھا تھا۔

رات کے وقت، چیونٹیاں اتنی اچھی طرح نہیں دیکھ سکتی تھیں، اور سونے کی دراڑ مجھے پہلے سے زیادہ قیمتی لگنے لگی۔ میں سوچنے لگا کہ کس طرح میں اس تک پہنچ سکتا ہوں۔ پھر اچانک ایک خیال میرے دماغ میں آیا۔

میں چپکے سے باہر جا کر تیزی سے سونے کی دراڑ تک پہنچوں گا، کوارٹر کے کچھ ٹکڑے کاٹوں گا، اور فوراً واپس آ جاؤں گا۔ میں اتنی تیزی سے اندر اور باہر آ جاؤں گا کہ چیونٹیوں کو باہر آنے کا موقع نہ ملے گا۔

یہ ایک سادہ کام لگ رہا تھا۔

میں آہستہ آہستہ باہر نکلا اور کسی طرح راستہ ڈھونڈتے ہوئے سونے کی دراڑ تک پہنچ گیا۔ جنگل گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ ستارے دھندلے ہو چکے تھے، اور سمندر میں طوفان آنے والا تھا۔ میں سمندر کی گرجتی ہوئی لہروں کی آواز سن سکتا تھا اور جنگل کی بھاری، نمی بھری خوشبو محسوس کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ، کہیں اور کوئی آواز نہیں تھی، بس سمندر کی گرج سناؤ دے رہی تھی۔

جب میں بیڑے پر گرا تھا تو میرے جوتے کہیں کھو گئے تھے۔ پانی میں لڑھکتے ہوئے وہ مجھ سے الگ ہو گئے تھے، اور اب میں ننگے پاؤں تھا۔ لاکھوں ننگے قدموں نے اس زمین کو اتنا سخت کر دیا تھا کہ میری حرکت بالکل خاموش تھی۔ سب سے مشکل کام یہ تھا کہ میں کیسے جانوں کہ میں سونے کی دراڑ تک پہنچ چکا ہوں—میں راستہ بھٹک کر چیونٹیوں کے تودے میں نہیں گھسنا چاہتا تھا۔

مگر مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے ہلکی سی دھوئیں کی بو محسوس کی، اور پھر مجھے کوئلوں کا ایک ڈھیر دکھائی دیا، جو جنگل کی سیاہ رات میں سرخ انگاروں کی طرح چمک رہا تھا۔ یہ سونے کے کاریگر کی نبھتی ہوئی آگ تھی۔

میں خود ہی ہنس پڑا۔ یہ کتنا سادہ قبیلہ تھا!

پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ جنگل میں کوئی اور بھی موجود ہے۔

یہ وہ عجیب سی کیفیت تھی جو ایک انسان کو محسوس ہوتی ہے، مگر وہ اسے بیان نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی آواز آتی تھی، کیونکہ مکمل خاموشی تھی، نہ میں نے کچھ دیکھا تھا، کیونکہ چاروں طرف اندھیرا تھا، جیسے کسی جیب میں موجود منظر۔ مگر پھر بھی، میرے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی، اور میری گردن کے بال کھڑے ہو گئے۔ میں فوراً راستے سے ہٹ کر جنگل کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

صرف چھ فٹ دور جا کر، میں اتنا چھپ چکا تھا جیسے کسی نے مجھے زمین میں دفن کر دیا ہو۔

میں نے اپنی آنکھیں پتوں کے ایک چھوٹے سے خلا پر جمادیں اور آگ کے بجھتے ہوئے کوئلوں کو غور سے دیکھنے لگا، تاکہ یہ دیکھ سکوں کہ کیا کوئی حرکت ہو رہی ہے۔ اچانک، وہ کوئلے غائب ہو گئے۔

مجھے لگا کہ شاید کوئی پتہ یا بیل میری نظر کے درمیان آگئی ہو، مگر ایسا نہیں تھا۔ کوئی چیز میرے اور آگ کے درمیان حرکت کر چکی تھی۔ پھر وہ چیز دوبارہ ہلی، اور میں نے اسے دیکھ لیا—ایک سیاہ فام آدمی، ننگا، تیزی سے سونے کی دراڑ کی طرف دوڑ رہا تھا۔

وہ بہت تیز تھا۔ جلتی ہوئی راکھ کی مدھم روشنی میں بس ایک دھندلی سی حرکت نظر آتی، جیسے وہ چٹان سے ٹکڑے کاٹ رہا ہو۔

پھر اچانک وہ مڑا اور پوری طاقت سے بھاگ نکلا۔ میں نے پھر سے ہنسی روکی۔ اس آدمی نے میری چال سمجھ لی تھی۔ یہ تو ایک بہت سادہ کام تھا، اس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ لیکن پھر اچانک ایک دل دہلا دینے والی چیخ سنائی دی۔

وہ سیاہ فام آدمی پاگلوں کی طرح ناچنے لگا، اپنے بازو اور ٹانگیں جھٹک رہا تھا۔ وہ میرے سامنے تھا۔ بمشکل دس فٹ کے فاصلے پر۔ اور میں بمشکل اس کی بے قابو حرکتیں دیکھ سکا۔

زمین سے ایک مدھم سی سرسراہٹ کی آواز آئی۔
میرے خون میں جیسے برف جمنے لگی۔ مجھے خطرہ محسوس ہوا۔ کچھ رینگ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا وہ کیا تھا۔ اگر چیونٹیاں مجھے یہاں پالیتیں۔
میں ہلنے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا، اور مجھے یہ خوف بھی تھا کہ اگر میں وہیں رکا رہا تو کیا ہوگا۔

لیکن اس آدمی نے میری مشکل آسان کر دی۔ وہ ایک درخت کی طرف دوڑ کر اس پر چڑھنے لگا، جیسے کوئی بندر ہو۔
درخت کی شاخوں میں 'میں اس کی گھبراہٹ بھری آوازیں سن سکتا تھا، وہ اپنی جلد سے چیونٹیاں جھاڑنے کے لیے خود کو مار رہا تھا۔ اس کی سسکیاں اور کراہیں عذاب کی طرح محسوس ہو رہی تھیں۔
میں نہیں جان سکا کہ چیونٹیاں اسے چھوڑ چکی تھیں یا وہ صرف نیچے گرنے کا انتظار کر رہی تھیں۔

پھر میں نے کچھ عجیب محسوس کیا۔ جس درخت کی بیل پر وہ چڑھ رہا تھا، وہ آسمان میں ستاروں کے درمیان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ میرے بالکل سامنے۔
اور وہ ہل رہی تھی۔

ہلکی سی لہر، ایک مدھم سا جھٹکا۔

پہلے تو میں سمجھ نہیں پایا۔

پھر میں نے دیکھ لیا۔

چیونٹیاں درخت پر چڑھ رہی تھیں۔

یہ اس کا خاتمہ تھا۔

سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں۔ پھر زمین سے بھاری چیزوں کے گرنے کی آواز آئی۔ شاید وہ سونے کے ٹکڑے تھے جو اس نے چرمی تھیلی میں باندھے تھے۔

پھر— خاموشی۔

سب کچھ رک گیا۔

لیکن میں محسوس کر سکتا تھا کہ جنگل خوفناک سرگرمی سے بھر چکا تھا، ایک ایسی سرسراہٹ، ایک ایسا احساس، جس سے مجھے متلی ہونے لگی۔
مجھے خون کی ہلکی سی بو آئی۔

اور درختوں سے ہلکی ہلکی ٹپ... ٹپ... کی آواز آرہی تھی۔

پھر الاؤ کی راکھ تھوڑی چمکی اور میں نے واضح طور پر دیکھا۔ زمین پر کچھ کالا سا ہل رہا تھا۔ چونٹیاں ادھر ادھر دوڑ رہی تھیں، رینگ رہی تھیں، بیلوں پر چڑھ رہی تھیں، اور درختوں کے اور اوپر جا رہی تھیں۔
پھر کچھ نیچے گرا۔

وہ انسان نہیں تھا۔ وہ بہت چھوٹا تھا— بمشکل کسی ہرن کے گوشت کے ٹکڑے

جتنا۔

لیکن جب آگ کی روشنی اس پر پڑی، تو میں نے دیکھا کہ وہ ایک کپکپاتی ہوئی بوٹی تھی۔

اور وہ آہستہ آہستہ مزید چھوٹی ہوتی جا رہی تھی۔

تب مجھے سمجھ آیا۔

چونٹیاں اپنا کام مکمل کر رہی تھیں۔

میں نے اپنے ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیے، لیکن اس منظر کو اپنے دماغ سے نکال نہ سکا۔

اگر میں ذرا بھی ہلتا، تو کیا وہ چیونٹیاں مجھ پر حملہ کر دیتیں؟ میں نے ان کی حدود نہیں پار کی تھی — مگر کیا وہ یہ جانتی تھیں؟

میرے جسم میں سردی کی لہر دوڑ گئی۔

میرے پیٹ میں مروڑ اٹھنے لگا۔

کچھ وقت بعد، میں نے دوبارہ دیکھنے کی ہمت کی۔

زمین خالی تھی۔ چیونٹیاں اپنے تودے میں واپس جا چکی تھیں۔ آگ کی آخری مدھم روشنی سفید ہڈیوں کے ڈھیر پر پڑ رہی تھی۔ قریب ہی، میں نے سونے کی مدھم چمک دیکھی — وہی سونا جو فائنٹی نے چٹانوں سے چرایا تھا۔

میرا پیٹ پھر مروڑ کھانے لگا۔ میں نے واپس جانے کا فیصلہ کیا اور کیمپ کی طرف چل پڑا۔ میں نے کسی کو نہیں بتایا کہ میں کہاں تھا یا میں نے کیا دیکھا تھا۔

مگر مجھے اب بھی وہ سونا چاہیے تھا۔

لیکن اب جو طریقہ میں نے سونا حاصل کرنے کا سوچا تھا، وہ بدل چکا تھا۔

میں زیادہ نہیں سوسکا۔ مجھے بستر کے طور پر صرف ایک کھال دی گئی تھی، اور مجھے خود ہی زمین پر سونے کے لیے جگہ بنانی تھی۔

لیکن اس رات مجھے وہ چھوٹا سا سیاہ ڈھیر یاد آتا رہا — جو آہستہ آہستہ اور چھوٹا ہوتا جا رہا تھا — اور یہ خیال میرے ذہن میں آکر رک گیا تھا۔

میں نے وہ رات مشکل سے گزاری، اور اگلے دن بھی۔ مگر میں نے وہ سب کچھ دیکھا جو شاید کسی دوسرے کو نہیں دیکھنا چاہیے تھا۔

آخر کار، میں نے سونے کی دراڑ تک پہنچنے کا ایک منصوبہ بنایا۔

بطور رک-ٹک کے غلام، مجھے چیونٹیوں کو خوراک دینے میں اس کی مدد کرنی پڑتی

تھی۔ ہر رات، مجھے کچھ پھل اوپر لے جانا پڑتے تھے۔

لیکن وہ کبھی مجھے خود چیونٹیوں کو کھلانے نہیں دیتی تھی۔

قبیلے کا قانون تھا کہ صرف سردار کی بیٹی ہی چوٹیوں کو کھلا سکتی تھی۔ مگر میں اتنا قریب ضرور جاسکتا تھا کہ بہت کچھ سیکھ سکوں۔

یہ چوٹیاں سدھائی ہوئی تھیں۔

لگ-لگ ان کے درمیان چل سکتی تھی، اور وہ اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی تھیں۔ وہی ان کی خوراک دینے والی تھی۔

بوڑھا سنار بھی جب چاہتا، چوٹیوں کے درمیان سے گزر سکتا تھا، اور وہ اس پر دھیان نہیں دیتی تھیں۔ وہ اسی طرح تربیت یافتہ تھیں۔

مگر کوئی اور ان کے دائرے میں نہیں جاسکتا تھا۔

اگر کوئی حد سے آگے بڑھتا، تو چوٹیاں فوراً حملہ کر دیتیں، جیسے کسی ندی میں طوفان آگیا ہو، اور پھر وہ اپنا گھناؤنا کام شروع کر دیتیں۔

جب وہ شروع کر دیتیں، تو پھر کوئی بچ نہیں سکتا تھا۔

میں نے اس ہفتے دوبار انہیں کسی پر حملہ کرتے دیکھا۔ وہ ہمیشہ شکار کے پیچھے سے آتی تھیں، پھر اسے چاروں طرف سے گھیر لیتی تھیں۔

کوئی کتنا ہی تیز دوڑتا، وہ اس کی ٹانگوں پر چڑھ جاتی تھیں۔

اتنی تعداد میں کہ وہ زیادہ دور نہ جا پاتا، اور پھر اس کے پیچھے چوٹیوں کی ایک دیوار بن جاتی، جو آخری کام مکمل کرنے کے لیے تیار ہوتی۔

لیکن ایک بات میں نے نوٹ کی — یہ چوٹیاں دن میں صرف ایک بار کھانا کھاتی تھیں، دوپہر میں۔

یہیں سے میرا منصوبہ شروع ہوا۔

اگر چوٹیوں کے لیے دو خوراک دینے والے ہوں تو؟

تب وہ یہ نہیں سمجھ پائیں گی کہ اصل خوراک دینے والا کون ہے۔ اور وہ تو صرف اصلی خوراک دینے والے کو ہی سونے کی دراڑ تک جانے دیتی تھیں۔

مجھے معلوم تھا کہ وہ خشک پھل کہاں رکھتے تھے، جو چیونٹیوں کو بہت پسند تھے۔
اس لیے، طلوع آفتاب سے پہلے، میں چیونٹیوں کے تودے کے پاس جاتا اور
انہیں ناشتہ کھلا دیتا۔

میں ہمیشہ تھوڑی مقدار میں دیتا، تاکہ جب سنار کام کے لیے پہنچے، تو وہاں کچھ باقی نہ
بچا ہو۔

شروع میں، چیونٹیاں شک میں تھیں، لیکن پھر بھی انہوں نے پھل کھا لیا۔
ایک لمبی، روٹی میں لپٹی ہوئی چیونٹی تھی، جو شاید ان سب کی سردار تھی، اور وہ ہمیشہ
ایک چمکدار پشت والی چیونٹی کو رپورٹ دیتی تھی، جو یقیناً ان کی ملکہ یا کوئی اور اہم رہنما
تھی۔

میری اس سردار چیونٹی سے اچھی دوستی ہو گئی۔ وہ سب آتیں اور میرے ہاتھ
سے کھاتی، پھر واپس جا کر اپنی لمبی مونچھیاں ملکہ کے سامنے ہلاتی۔
آخر کار، ملکہ نے فیصلہ کیا کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔

بس، کام بن گیا!

میں اندرونی لوگوں میں شامل ہو چکا تھا۔
مجھے یہ چھوٹی چھوٹی چیزوں سے پتہ چلتا، جیسے ان کے مونچھوں کو ہلانے کا طریقہ،
اور وہ کیسے کھانے کے لیے آتی تھیں۔ میں نے انہیں اچھی طرح پہچاننا سیکھ لیا تھا۔
اسی دوران، ٹک-ٹک مجھے قبیلے کے رسم و رواج سکھا رہی تھی۔
مجھے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ میرے ساتھ دوستانہ رویہ رکھتی تھی۔
اسے مجبوراً سنار کی زبان سیکھنی پڑی تھی تاکہ اگر سنار کو کچھ ہو جاتا، تو وہ فوراً قبیلے کے
نئے قیدی سنار کو تربیت دے سکے۔

لیکن مجھے قبیلے کے لیے کوئی خاص ہمدردی نہیں تھی۔

اگر تم نے انہیں کبھی اپنے شیطانی رقص کرتے دیکھا ہوتا، یا جب وہ پورے چاند کی رات اپنے قریبی رشتہ داروں — بندروں — کے لیے ضیافت منعقد کرتے تھے، تو تم بھی ایسا ہی سوچتے۔

نہیں! میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر میں قبیلے کے ساتھ کچھ برا کروں، تو وہ بالکل جائز ہوگا۔

لیکن کک-کک کے لیے، میرے جذبات مختلف تھے۔ اور مجھے یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ اس کے میرے لیے بھی مختلف جذبات تھے۔ لیکن اس دوران، "بندر آدمی" حسد میں جل رہا تھا۔ وہ کک-کک سے محبت کرتا تھا، اور وہ اسے خریدنا چاہتا تھا۔ اس ملک میں عورتوں کو شادی کے فیصلے کا اختیار نہیں تھا، اور نہ ہی یہ طے کرنے کا کہ وہ بیوی نمبر ایک بنیں گی یا پچاس۔

یہاں مرد اپنی بیویاں خریدتے تھے۔ جتنی وہ خرید سکتے تھے اور پال سکتے تھے، اتنی ان کی ہو سکتی تھیں۔ چند ہفتوں بعد، میں نے سونا لینا شروع کر دیا۔ پہلے تو، میں آہستہ آہستہ چوٹیوں کے علاقے کی سرحد کے قریب جاتا رہا۔ میں آج بھی وہ ٹھنڈا پسینہ محسوس کر سکتا ہوں جو پہلی بار اس حد کو عبور کرتے وقت میرے جسم سے نکلا تھا۔

لیکن چوٹیاں مجھے "اپنا بندہ" سمجھنے لگیں تھیں۔ انہوں نے کوئی حرکت نہیں کی۔

آخر کار، میں سیدھا سونے کی دراڑ تک جا پہنچا، مگر میری نظریں زمین پر جمی ہوئی تھیں، خاص طور پر اپنے پیچھے کے علاقے پر۔

پھر میں نے نرم کو اڑنے کے کچھ ٹکڑے توڑے اور ان میں سے سونا نکال لیا۔

اس کے بعد، سب کچھ آسان ہو گیا۔
میں ایک وقت میں زیادہ نہیں لیتا تھا، تاکہ سنار کو شک نہ ہو۔
مجھے لالچ نہیں تھی،
مجھے صرف نوے پاؤنڈ سونا چاہیے تھا—نہ ایک تولہ زیادہ، نہ کم۔
اور میں کوئی بیوقوف نہیں تھا،
میں یہ سب آہستہ آہستہ کرنے والا تھا۔

باب ۴ فائنٹی - حملہ

پھر وہ رات آئی جب بڑی لڑائی ہوئی۔

میں سو رہا تھا، اپنی جیسی کھال کی چادروں میں لپٹا ہوا— یہ سردی کی وجہ سے نہیں تھا، کیونکہ راتیں گرم اور مرطوب تھیں، بلکہ اس لیے کہ میں جتنا ہو سکے نمی اور ان کیڑوں سے بچ سکوں جو میری نرم، سفید جلد کو پسند کرتے تھے۔

پاس کے پہرے دار نے آواز نکالی، پھر شور مچ گیا، اور ساری صورتحال بگڑ گئی۔ چاند تھا، اور اس کی روشنی میں، میں کچھ چیزوں کو دیکھ سکتا تھا۔

ہمارے سپاہی اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ ایک بات— انہیں کپڑے پہننے کی ضرورت نہیں تھی۔ بس ایک آدمی کو نیزہ اور ڈھال پہننی ہوتی تھی یا درختوں پر چڑھ کر تیر و کمان سے تیر پھینکنے ہوتے تھے، اور وہ جنگ کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔ یہ سب کچھ پہلے سے طے شدہ لگتا تھا کیونکہ کچھ لوگ راستے کی حفاظت کر رہے تھے نیزوں کے ساتھ، اور دوسرے درختوں پر چڑھ کر زہر آلود تیر پھینک رہے تھے، جو نیچے آ رہے ہجوم میں جا رہے تھے۔

یہ ایک عجیب قسم کی لڑائی تھی۔ وہاں بندوقوں کی آواز نہیں تھی، بس بہت ساری آوازیں آرہی تھیں، اور ان آوازوں میں، میں رات میں تیروں کی سرسراہٹ سن سکتا تھا۔

کچھ وقت بعد، مجھے سمجھ آ گیا کہ ہمارے لوگ ہار رہے ہیں۔

میں صرف ایک غلام تھا، اور جب لڑائی شروع ہوتی تھی تو عورتیں غلاموں پر نظر رکھتی تھیں تاکہ وہ بھاگنے یا پیچھے سے حملہ کرنے کی کوشش نہ کریں۔

شاید مجھے بھاگنے کا دل کرتا، مگر میں چاہتا تھا کہ یہ اپنے طریقے سے ہو۔ ہمارے کسی آدمی کی پٹھ میں نیزہ گھونپنا مجھے صحیح نہیں لگتا تھا۔ پھر، اگر میں بھاگ بھی جاتا، تو بھی میں بہتر حالت میں نہ ہوتا۔ میری سفید جلد دوسرے لوگوں کے لیے مسئلہ بن جاتی۔

مگر جب لڑائی ہو رہی ہو تو میں صرف تماشائی بن کر نہیں رہ سکتا تھا۔ اس لیے میں نے صورتحال کا جائزہ لیا۔

جب الرٹ سنا گیا، آگ کے نگرانوں نے بڑی آگ پر لکڑیاں ڈال دیں، اور لڑائی ساری آگ کی روشنی میں ہو رہی تھی۔ آگ کا وسط کم ہو چکا تھا، اور بہت ساری جلتی ہوئی چھوٹی لکڑیاں تھیں—ایک طرف آگ، دوسری طرف لکڑیاں۔ میں نے کچھ کہا اور پھر ہم آگ کی طرف دوڑ پڑے، لکڑیاں اٹھا کر، ان کو گھما کر، اور پھر انہیں ان وحشیوں کی طرف پھینک دیا جو ہمارے سپاہیوں کے درمیان سے گزرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس نے دوسرے غلاموں سے کچھ کہا، اور وہ بھی لائن میں لگ کر لکڑیاں پھینکنے لگے۔ وہ اتنی دہمکی سے نہیں پھینک رہے تھے جتنی دہمکی سے میں اور رک-رک پھینک رہے تھے، مگر وہ بھی پھینک رہے تھے، اور ہم سب مل کر ہوا میں جلتے ہوئے لکڑی کے ڈھیر کو پھینکنے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ ایک عجیب منظر تھا—جلتی ہوئی لکڑیاں ہوا میں گھوم رہی تھیں، اور ہمارے سپاہیوں کے سر سے اوپر سے گزر کر فانیوں کے بیچ میں جا کر پھینکی جا رہی تھیں۔ میں نے احساس کیا کہ میں نے شاید غلطی کی تھی، لیکن ہم آگ کو ٹکڑے ٹکڑے کر رہے تھے اور جلد ہی یہ اندھیرا ہونے والا تھا۔ ہم اتنی زیادہ جلتی ہوئی لکڑیاں پھینک رہے تھے کہ بہت جلد اتنی بیچ نہیں پائیں گی کہ ہم دیکھ سکیں۔

ہمارے ایک سپاہی کو زہر آلود تیر لگا اور وہ زمین پر گر گیا، اس کے ساتھ اس کا ڈھال اور نیزہ پڑا تھا۔ تیر ابھی بھی ہوا میں سرسراہٹ کر رہے تھے، اور میں نے دیکھا کہ ہمارے کچھ غلام ساتھی ایک ایک کر کے گر گئے۔
مجھے وہ ڈھال بہت پسند آئی۔

جب میں نے اسے پکڑا، تو میرے دماغ میں خیال آیا—کیوں نہ نیزہ بھی لے لوں؟
کوئی مجھے نہیں روک رہا تھا، تو میں نے دونوں کو تھام لیا۔
پھر میں لڑائی میں شامل ہو گیا۔

وحشی پہلی ہلہ بولنے کے بعد تقریباً خاموشی سے لڑے۔ شور تھا، لیکن وہ آہستہ اور انفرادی آوازیں تھیں، جیسے کسی ایک مسلسل لڑائی کا شور نہ ہو۔ میں نے اچھا وقت منتخب کیا تھا، کیونکہ جب میں لڑائی میں شامل ہوا تو تھوڑی سی رکاوٹ آگئی تھی۔
میرے کپڑے پہلے ہی پھٹ چکے تھے۔ جو تھوڑے سے کپڑے باقی تھے، وہ میں نے اتار کر پھینک دیے تاکہ مقامی لوگوں میں آسانی سے گھل مل سکوں۔ میری جلد اب بھی سفید تھی، حالانکہ تھوڑی سنہری ہو چکی تھی، لیکن میں بالکل الگ پہچانا جا رہا تھا۔

ہمارے لوگ تو اس بات کے عادی تھے کہ ایک سفید آدمی غلام ہے، لیکن فانی؟ وہ مجھے لڑتے ہوئے دیکھنے کی توقع نہیں کر رہے تھے۔
ان فانیوں نے شاید پہلے کبھی سفید گوشت کھایا تھا—کوئی بد قسمت مہم جو یا ملاج جو بہت دور جا نکلا تھا۔

کسی بھی صورت میں، سفید آدمی کو لڑتے ہوئے دیکھنا ان کے لیے بہت بڑا جھٹکا تھا۔

یہ دلچسپ بات ہے کہ ایک مقامی آدمی جتنا بھی بہادر بننے کی کوشش کرے، اس کا سب سے بڑا خوف ہی اس کا سب سے بڑا حصہ ہوتا ہے۔ وہ جلتی ہوئی لکڑیاں پہلے ہی انہیں ہلا چکی تھیں، اور جب میں ان کے سامنے دوڑ کر آیا تو یہ ان کے لیے بہت زیادہ تھا۔

وہ ایک لمحے کے لیے ہچکچائے، پھر اپنی ہی گھبرائی ہوئی پیچنیں ماری اور دوڑنے لگے، ہر لڑکا اپنے سامنے والے کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب ایک گروہ لڑائی کے دوران پیچھے ہٹتا ہے، تو وہ کس طرح پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وہ بھاگتے ہیں، تو وہ ایک ہی لمحے میں خوف کا شکار ہو جاتے ہیں، وہ بس بھاگنا چاہتے ہیں۔ ان میں لڑنے کا کوئی جذبہ نہیں ہوتا۔

ہمارے گروہ نے جو ان لڑکوں کے ساتھ کیا، وہ بہت برا تھا۔ جیسے ہی وہ دوڑنے لگے، ہمارے سپاہیوں نے نیزوں کا استعمال شروع کر دیا، اور لاشوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اور میں ان سب سے آگے تھا۔

مجھ سے نہ پوچھیں کہ میں نے یہ کیسے کیا — مجھے خود بھی نہیں پتا۔ میں بس یہ جانتا ہوں کہ میں چیخ رہا تھا اور دوڑ رہا تھا جب پورا فانی گروہ پیچھے ہٹ گیا، اور میں وہاں تھا، بھاگتے ہوئے سپاہیوں کے پیچھے، اور ان کی پٹھوں پر نیزہ مار رہا تھا۔

کچھ وقت بعد، ہم نے تعاقب چھوڑ دیا۔ ہم نے بہت نقصان پہنچا دیا تھا اور جنگل میں مزید گہرائی تک جانا خطرناک ہو سکتا تھا۔ سامنے کی بھیڑ دوبارہ اکٹھی ہو سکتی تھی اور ہم پر حملہ کر سکتی تھی، اور ہم اتنی دور تک پھیل چکے تھے کہ واپس آنا ضروری تھا۔

میں نے اپنے سپاہیوں کو واپس بلایا، اور ہمارے پیچھے جہاں لڑائی ہوئی تھی، وہاں فانیوں کی لاشوں کا بڑا ڈھیر تھا۔

اس کے بعد، انہوں نے کیمپ کی آگ کے ارد گرد ایک بڑی مجلس بلائی۔ میں نے کک-کک کو اپنے بوڑھے ساتھی، پک-پک سے بات کرتے ہوئے دیکھا، اور مجھے لگ رہا تھا کہ وہ اپنے غلام پر فخر محسوس کر رہی تھی۔

پھر پک-پک نے مجھے آگے بلایا۔ اس نے مجھے سپاہیوں کے حلقے میں آگ کے سامنے کھڑا کیا اور ایک بڑی تقریر کی۔ پھر اس نے مجھے ایک خون آلود نیزہ اور ڈھال دی، میرے سینے پر رنگ لگایا، میری آنکھوں کے ارد گرد حلقے بنائے، اور میرے گالوں پر تین دھاریاں لگا دیں۔

پھر سب سپاہی آگ کے ارد گرد چھلانگیں لگانے لگے، اپنے قدم زور سے زمین پر مارنے لگے اور کچھ عجیب نعرے بلند کرنے لگے۔ ہر چند قدموں کے بعد، وہ سب ایک ساتھ اپنے قدم زمین پر مارتے اور درختوں کے پتے سرسراہٹے۔ یہ ایک جوشیلے ماحول والی رات تھی۔

کک-کک نے میرے لیے ترجمہ کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ مجھے آزادی دے رہے ہیں اور مجھے قبیلے میں ایک عظیم جتجو کے طور پر تسلیم کر رہے ہیں۔
"یہ مناسب نہیں کہ اتنا طاقتور سپاہی ایک عورت کا غلام ہو،" اس نے کہا۔

ویسے، دنیا بھر میں عورتوں کے بارے میں کچھ عجیب بات ہے۔ وہ امن اور سفید کبوتر کی باتیں کرتی ہیں، مگر انہیں اچھے جتجو بہت پسند ہیں۔ کک-کک کی آنکھوں میں نرمی اور فخر کی چمک تھی۔ میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ مجھ پر فخر محسوس کر رہی تھی جیسے وہ میری ماں ہو، یا میری محبوبہ، یا ان دونوں کے درمیان کچھ۔
اور اس کی آنکھوں میں وہ دیکھ کر مجھے کچھ محسوس ہوا۔

میں کک-کک سے بغیر شعور کے دل لگانے لگا تھا۔ وہ کافی خوبصورت تھی، حالانکہ اس کی رنگت چاکلیٹ جیسی تھی، اور وہ بہت صاف ستھری تھی۔ وہ ہمیشہ سے میرے ساتھ کھڑی رہی تھی، اور اگر وہ نہ ہوتی، تو میں غلام نہ بن کر کھانے کا حصہ بن

چکا ہوتا۔ یہ قدرتی تھا کہ میں اس سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ محسوس کرتا۔ پھر جب میں مقامی طریقوں اور سب کچھ سے واقف ہو گیا، تو وہ مجھے اور بھی خوبصورت لگنے لگی۔ ویسے، وہاں میں تھا، اس سے محبت کرتا ہوا۔

ہاں — اور اب بھی کرتا ہوں۔

شاید میں مقامی بن گیا ہوں، تو کیا؟ اس سے بدتر چیزیں بھی ہیں۔ اور کک-کک ایک صاف ستھری لڑکی تھی۔ مجھے اس کی رنگت سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ اور یاد رکھیں — وہ ایک بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اس کے خون میں شاہی خون تھا، اور یہ فرق ڈالنا ضروری ہے، نسل یا رنگ یا کچھ اور۔

چاہے آپ کو پسند ہو یا نہ ہو، میں اس سے محبت کرتا ہوں، اور اب بھی کرتا ہوں۔ اوہ، میں جانتا ہوں کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اگر وہ زندہ ہے، تو کک-کک بھی بہت بوڑھی ہو چکی ہوگی — یہ مقامی لوگ تیز بڑھاپے کی طرف جاتے ہیں — اور میں خود بھی کوئی جوان لڑکا نہیں ہوں۔ لیکن میں اسے اتنی ہی محبت کرتا ہوں۔

خوب، ایک سفید آدمی اپنی عورتوں کے بارے میں عجیب ہوتا ہے۔ وہ بے صبر ہوتا ہے۔ جب وہ محبت میں پڑتا ہے، تو وہ پوری طرح سے پڑتا ہے، اور وہ اپنی لڑکی چاہتا ہے۔ میرے صبر کا حال وہ نہیں تھا جو بندر جیسے آدمی کا ہوتا تھا۔ میں انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

میں نے اگلے دن کک-کک کے پاس جا کر اسے بتایا کہ میں کیا محسوس کرتا ہوں۔ یہ وہ وقت تھا جب ہم چیونٹیوں کو کھانا دے رہے تھے، اور ہم انہیں پھل لے جا رہے تھے۔ میں ابھی بھی اس کی مدد کر رہا تھا، حالانکہ اب میں غلام نہیں تھا۔ میں یہ اس لیے کر رہا تھا کیونکہ میں چاہتا تھا۔

تو، میں نے اسے بتا دیا۔ اس کی آنکھیں چمک اٹھیں، اور اس نے خشکی سے پھل پھینک کر ایک ڈھیر لگا دیا۔ پھر اس نے اپنے بازو میرے گرد ڈالے اور تھوڑی دیر

کے لیے رونا شروع کر دیا، اور نرم آواز میں اپنے قبیلے کی اصل زبان میں بات کرنے لگی۔ وہ اتنی خوش تھی کہ اس نے سنار کی زبان کو بھلا دیا اور اپنی زبان میں واپس آ گئی۔

چیونٹیاں آئیں اور پھل کھا گئیں، ہماری ٹانگوں پر رینگتے ہوئے۔

اگر وہ اتنی خوش نہ ہوتی، اور اگر میں اتنا محبت میں نہ ہوتا، تو ہم دونوں شاید سمجھ پاتے کہ اس کا کیا مطلب تھا—وہ چیونٹیاں جو ہم پر رینگ رہی تھیں، بغیر کاٹے، بغیر کسی دشمنی کے۔ اس کا مطلب تھا کہ میں نے ان سے آہستہ آہستہ دوستی کر لی تھی، بغیر یہ جانے۔

کچھ وقت کے بعد، اس نے مجھے چھوڑا اور پھر کچھ اور رونے لگی۔ پھر اس نے بتایا کہ وہ سردار کی بیٹی ہے۔ جو آدمی اسے شادی کرے گا، وہ ایک دن قبیلے کا سردار بنے گا۔ یا یوں کہوں کہ وہ قبیلے کی ملکہ کا شوہر بنے گا۔

اس قبیلے میں مرد اپنی بیویوں کو خریدتے ہیں۔ لک-لک سے شادی کرنے والا آدمی اس کا ہاتھ اس کے والد سے خریدنا پڑے گا۔ مگر چونکہ وہ سردار کی بیٹی ہے اور قبیلے کی مستقبل کی ملکہ ہے، اس لیے اس کے لیے اتنی دولت درکار ہوگی جتنی کسی بھی ایک مرد کے پاس نہیں ہو سکتی۔

اس نے مجھے بتایا کہ کتنی کھالیں، کتنے سور، کتنی خشک گوشت، کتنے تیر، نیزے، کتنی پاؤنڈ مقامی تباکو، اور وہ سب چیزیں جو ضروری ہوں گی۔

میں اس کی لمبی فہرست پر زیادہ دھیان نہیں دے رہا تھا۔ میرے پاس پہلے ہی ساٹھ پاؤنڈ خالص سونا چھپایا ہوا تھا، اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں کروڑ پتی ہوں۔ آخر کار، وہ سب مقامی چیزیں جو میرے پاس تھیں، میرے سونے کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھیں۔ میں ایک عام ملاح کے لیے امیر آدمی تھا۔ اس سونے کو لے کر میں دنیا کے کسی بھی بازار میں جاسکتا تھا اور جو چاہتا خرید سکتا تھا۔ ہاں، یہاں تک کہ

کچھ مواقع پر اعلیٰ طبقے کی خواتین نے خود کو یا اپنی بیٹیوں کو کم قیمت پر بیچ دیا تھا، اور وہ قیمت ساٹھ پاؤنڈ خالص سونے سے بھی کم تھی۔

میں نے ہنستے ہوئے کہا کہ فکرنہ کرو—میں اس کے والد سے تمہارا ہاتھ خرید لوں گا۔ مجھے قیمت کی پرواہ نہیں تھی۔ میں ایک ملاح لڑکا تھا، میری رگوں میں جوانی کا خون تھا، اور میں لک-لک سے محبت کرتا تھا۔ وہ وہاں اپنے نرم اور دھندلے نظر آنے والے آنکھوں کے ساتھ، میرے گلے میں ہاتھ ڈالے کھڑی تھی، اور میرے پاس ساٹھ پاؤنڈ خالص سونا تھا۔

پھر میں نے ایک آواز سنی اور اوپر دیکھا۔ وہ بندر جیسے آدمی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ اپنے دانتوں کے اوپر نیچے ہو رہے تھے۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں بولا، مگر ہر بار جب اس کے ہونٹ حرکت کرتے، اس کے دانت مدھم روشنی میں چمکنے لگتے۔

میں تھوڑا سا سخت ہو گیا—یہ خوف کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس کے انداز کو پسند نہ آنے کی وجہ سے۔ اس وقت مجھے ایسا لگا جیسے میں دنیا کے ہر بندر جیسے آدمی کا مقابلہ کر سکتا ہوں، چاہے ایک بار میں، یا سب کو ایک ساتھ۔

لک-لک خوفزدہ تھی۔ میں اس کی بازوؤں میں کپکپاہٹ محسوس کر سکتا تھا، اور وہ اپنے ہونٹوں سے چھوٹی، خوفزدہ آوازیں نکال رہی تھی۔ لیکن بندر جیسے آدمی نے کچھ نہیں کہا۔

جب اس نے دیکھا کہ ہم نے اسے دیکھ لیا ہے، تو اس نے اپنی بڑے بازوؤں کو اوپر اٹھایا، ایک شاخ پکڑی، اور خلا میں اچھل کر دوسری شاخ کو اپنے مضبوط پیروں سے پکڑ لیا، پھر وہ جنگل میں غائب ہو گیا۔

اب صرف شام کی مدھم روشنی، بندر کی آوازیں، اور لک-لک کی سرگوشیاں باقی رہ گئیں۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ پھیرا۔

دیکھو، بندر جیسے آدمی کو درختوں میں ادھر ادھر دوڑنے دو۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ لک-لک کا ہاتھ خریدنے کی پوزیشن میں نہیں تھا، اور شاید کبھی بھی نہیں ہو سکے گا۔ میرے پاس خالص سونا تھا، اور مجھے یقین تھا کہ مجھے اسے خریدنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔

لیکن اگلے دن مجھے ایک عجیب مسئلہ کا سامنا ہوا۔ میرے پاس جتنا سونا تھا، میں اتنا ہی لے جاسکتا تھا، مگر سونا کچھ کام کا نہیں تھا۔ میرے پاس اتنا سونا تھا کہ پورے ٹیئری کے برابر بہترین کھالیں خرید سکتا تھا، مگر میں اس سونے کا بدلہ ان سے نہیں لے سکتا تھا۔

جس قبیلے کے ساتھ میں تھا، وہ سونے کی کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا—سوائے اس کے کہ وہ فینٹیوں کے ساتھ تجارت کے لیے استعمال کرتے۔ اور ساری تجارت سردار ہی کرتا تھا۔ قبائلی رسم و رواج کے مطابق، کسی دوسرے کو سونا رکھنے یا تجارت کرنے کی اجازت نہیں تھی۔

مجھے اب سمجھ آ رہا تھا کہ یہ معاملہ اتنا آسان نہیں تھا جیسا میں نے سوچا تھا۔ اور اس دوران، میں لک-لک سے اور بھی محبت کرتا جا رہا تھا۔ وہ بالکل ایسی عورت تھی جو ایک سچے مہم جو آدمی کو چاہیے ہوتی ہے۔ وہ ہر مشکل وقت میں اپنا دماغ ٹھنڈا رکھ سکتی تھی۔ وہ مضبوط اور نرم دل تھی۔ اس کے جسم میں کوئی تکلیف یا درد نہیں تھا۔ جب وہ چلتی، تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ بغیر کسی محنت کے چل رہی ہو۔ اگر درختوں کا راستہ صاف ہوتا، تو وہ ان پر چڑھ کر شاخ سے شاخ پر پھرتی جیسے ہوا میں اڑتا ہوا پرندہ۔

میں کہہ رہا ہوں، وہ بیل کی طرح طاقتور اور اتنی ہی نرم و نازک تھی۔ ایسی عورت ایک مرد کے ساتھ کہیں بھی جاسکتی تھی۔ اور وہ میٹھی اور نرم دل تھی۔ جب بھی اسے لگتا کہ میں غمگین ہوں—اپنی سفید نسل، اپنے گھر، اور جو کچھ بھی پیچھے چھوڑ آیا—تو

وہ میرے سر کو اپنی چھاتی پر رکھ کر نرم آواز میں گاتی، جیسے جنگل میں ہوا سرسراہتی ہو۔

میں چاہتا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہو۔

سب کو یہ بات صاف نظر آرہی تھی کہ قبیلہ ختم ہونے والا تھا۔ وہ سونا جو انہیں تجارتی طاقت دیتا تھا، وہی ان کا عذاب تھا۔ فینٹی وہ سونا چاہتے تھے۔ وہ لڑائیاں ہار سکتے تھے، یا ہزار لڑائیاں ہو سکتی تھیں، لیکن جب تک وہ سونا موجود تھا، حملہ آور ہمیشہ آتے رہیں گے۔

یہ صرف وقت کی بات تھی کہ قبیلہ مٹ جائے گا—وہ شکست کھا کر، پکڑے جا کر، اور ان کی عورتوں کو غلام بنا کر۔ وہ اندرون علاقے میں نہیں رہ سکتے تھے، وہ صرف سمندر کے قریب زندہ رہ سکتے تھے۔ لیکن فینٹیوں کو وہ سونا چاہیے تھا۔ کبھی بکھارا ایک لڑائی ہوتی، اور جب وہ ختم ہوتی، تو مردہ اور زخمی پڑے ہوتے۔ ہمیشہ دشمن زیادہ ہوتے۔

لیکن ہر لڑائی کے بعد ہمارے لڑکوں کی تعداد کم ہوتی جاتی تھی۔

اگر میں بھاگ سکتا—کک—کک کو اپنے ساتھ لے جا سکتا، اور سونا بھرا بیگ، جتنا ہم اٹھا سکتے—تو ہم زندگی بھر کے لیے محفوظ ہو جاتے۔ ہم شہروں میں جا سکتے تھے اور بہترین لوگوں کے ساتھ عزت سے چل سکتے تھے۔

لیکن مجھے پتہ تھا کہ کک—کک کو اپنے طریقے سے سوچنے پر راضی کرنا مشکل ہوگا۔ میں شاید اسے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے قائل کر سکتا تھا، مگر وہ ایسی حالت میں پروان چڑھی تھی کہ اس کا فرض قبیلے کے لیے مقدس تھا۔ وہ سونے کا ایک ٹکڑا بھی نہیں لیتی۔ آپ دیکھیں، اس نے کبھی پیسوں کا کاروبار نہیں کیا تھا، اور وہ جو صحیح سمجھتی تھی، وہ کرتی تھی—نہ کہ وہ جو اس کے لیے سب سے زیادہ پیسہ کما سکتا تھا۔

جب میں یہ سب سوچ رہا تھا، تو بندر جیسے آدمی کو نسل میں آیا اور اعلان کیا کہ وہ اگلے پورے چاند پر لگ-لگ کا ہاتھ خریدنے جا رہا ہے۔ بس اتنا ہی اس نے کہا۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ ضروری سامان کہاں سے لائے گا یا کوئی اور تفصیل نہیں دی۔ لیکن اتنا کافی تھا کہ مجھے فخر لاحق ہو جانے۔ اور یہ لگ-لگ کو بھی پریشان کر رہا تھا۔ ان دنوں بہت ساری جنگلی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ آسٹری اور فائنٹی ایک ساتھ مل کر حملہ کرنے جا رہے ہیں تاکہ سونے کی چٹان کو حاصل کر سکیں۔

میں نے لگ-لگ کو قاتل کرنے کی کوشش کی کہ وہ قبیلے کو سونا چھوڑ دینے کا مشورہ دے۔ سونے کے بغیر، وہ حملے سے محفوظ رہ سکتے تھے، اور ویسے بھی ان کے لیے اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں تھی۔

لیکن وہ باقی دنیا کی طرح تھے۔ اگر آپ ایک وحشی قبیلے کو ایک قوم سے موازنہ کر سکیں۔ وہ سونا چاہتے تھے، حالانکہ اس سے ان کی اکثریت کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس کے لیے لڑنے کو تیار تھے، اور اگر ضرورت پڑی تو مرنے کو بھی، اور پھر بھی صرف سردار کو ہی اس کے ساتھ تجارت کا حق تھا۔

وہ جانتے تھے کہ اگر وہ سونا چھوڑ دیں، تو وہ امن حاصل کر سکتے تھے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ وہ زیادہ دیر تک نہیں رہ سکیں گے۔ ہر لڑائی انہیں مزید کمزور کر رہی تھی۔ لیکن نہیں، وہ سونے کی چٹان کے لیے مرنا چاہتے تھے۔ اور انہیں اس کی اصل قیمت کا بھی اندازہ نہیں تھا۔

سونے کے بارے میں ایک عجیب بات یہ ہے۔ ایک اور افواہ بھی پھیل رہی تھی جس نے مجھے سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ایک اور سفید آدمی کے بارے میں جو دودن کی دوری پر کیمپ میں تھا۔ اس کے ساتھ بڑی جماعت تھی، وہ بڑے شکار کر رہا تھا اور عام طور پر تلاش میں تھا۔

میرے دماغ میں ایک جنگلی خیال آیا۔ اگر میں چپکے سے اس تک پہنچ سکتا اور پچاس یا ساٹھ پاؤنڈ سونا لے جا سکتا، تو میں اس سے آئینے، بندوقیں، کبل وغیرہ کے بدلے لے سکتا تھا۔ وہ چیزیں جو سردار کے لیے ایک بہت بڑی دولت کی طرح لگیں۔ پھر میں کک-کک کا ہاتھ خرید سکتا، اور شاید اسے اپنے ساتھ جانے کے لیے قاتل کر سکوں۔

میرے پاس پہلے ہی کافی سونا تھا، لیکن اب میں لالچی ہو رہا تھا۔ کک-کک جیسی عورت کی محبت نے ایک مرد کو دنیا کے سب سے امیر بادشاہ سے بھی زیادہ دولت مند بنا دینا چاہیے تھا۔ لیکن میں ایک سفید آدمی تھا، اور مجھے سونا خدا کے ساتھ ساتھ پوجنا سکھایا گیا تھا۔

اصل میں، جب میں بچہ تھا تو مجھے صرف اتوار کے دن خدا کی عبادت سکھائی گئی تھی۔ باقی دنوں میں، اصل خدا سونا تھا۔

میرے والدین کو عام لوگوں کے حساب سے کافی مذہبی سمجھا جاتا تھا، لیکن وہ بھی مذہب کو صرف اتوار تک محدود رکھتے تھے۔ سونا چھ دنوں تک خدا تھا، اور میں سفید آدمی کے طریقے سے بڑا ہوا تھا۔

اس لیے مجھے مزید سونا حاصل کرنا تھا۔ میں اتنا سونا چاہتا تھا کہ میں سفید آدمی کے کیمپ میں جا سکوں، جتنا سونا میں اٹھا سکتا ہوں، اور پھر بھی کافی سونا باقی رہ جائے، جو زمین میں دفن ہو، میری واپسی کا انتظار کر رہا ہو۔

اگلی صبح، میں نے فیصلہ کیا کہ میں تھوڑی قسمت آزما کر ایک بڑا حصہ کواریٹز نکالوں گا۔

میں چیونٹیوں کے لیے کھانا لے کر آرام سے نکل آیا؛ ان کا میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ وہ میری پریشانیوں میں سے ایک نہیں رہیں۔ میں چٹان کے کنارے پر آیا اور گوارٹز کھودنا شروع کر دیا۔

پھر ایک عجیب بات ہوئی۔

یہ ایک عجیب سا احساس تھا—جیسے کچھ میرے پیچھے سے میری کمر میں سوراخ کر رہا ہو۔

میں مڑا اور دیکھا کہ وہ بندر جیسا آدمی درخت کی ایک شاخ پر بیٹھا مجھے دیکھ رہا تھا۔ وہ درخت میں شاخ پر بیٹھا تھا، اور ایک کمان پکڑے ہوئے تھا جس پر زہر آلود تیر لٹکا ہوا تھا۔

پھر میں نے کچھ اور نوٹ کیا—اس کی انگلیاں شاخ کے نیچے جکڑ کر اسے مضبوطی سے پکڑے ہوئے تھیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ جب ایک شخص سمجھتا ہے کہ اس کی تقدیر منحوسیت سے جڑی ہوئی ہے، تو وہ ایسی چھوٹی چھوٹی تفصیلات پر دھیان دیتا ہے۔

باب ۵ بندر جیسے آدمی

میں بندر جیسے آدمی کی آنکھوں میں گھوم کر دیکھ رہا تھا، اور وہ بھی مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ سفید آدمی ہمیشہ دوسری نسلوں پر ایک فائدہ رکھتا ہے کیونکہ دوسرے لوگ کسی مشکل میں پڑنے پر ایک طرح کی نسلی کمزوری کا شکار ہو جاتے ہیں۔ شاید یہ سچ ہو، اور شاید نہ ہو۔

جو کچھ میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ میں بندر جیسے آدمی کو گھور رہا تھا، اور وہ کمان کی رے پر اپنے انگلیوں سے کھیل رہا تھا۔

میں رنگے ہاتھوں پکڑا گیا تھا۔ ان زہر آلود تیروں میں سے ایک مجھے میرے قدموں میں گرا دے گا۔ میرے پاس آخری موقع تک پہنچنے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میری زندگی کا پردہ گرنا جا رہا ہے۔

پھر ایک عجیب بات ہوئی۔ اُس وقت، مجھے لگا کہ یہ میری گھورتی ہوئی آنکھوں کی وجہ سے تھا، وہ فرضی نسلی کمزوری اور کچھ اور۔ اب مجھے اصل وجہ معلوم ہو گئی ہے۔

بندر جیسے آدمی نے اپنی کمان نیچے کر دی، چند بار آنکھیں جھپکیں— بالکل ویسا جیسے بندر نئی سوچ پر غور کرتا ہے— پھر اس نے ایک لمبی پنچے والے ہاتھ سے اوپر کی شاخ پکڑی، درختوں میں لپھلا، اور غائب ہو گیا۔

ایسا لگا جیسے وہ گواہ لانے جا رہا تھا، اور مجھے پتہ تھا کہ مجھے سونا دفن کرنا ہے— اور فوراً۔

میں نے دیکھا کہ چوٹیاں جو کھانا میں نے انہیں دیا تھا، وہ ختم کر رہی تھیں، تو مجھے باقی بچا کچا کھانا ختم ہونے کا خوف نہیں تھا۔

میں نے سونا اٹھایا اور اپنے چھپانے کی جگہ کی طرف دوڑ لگا دی۔ میں نے نئی مقدار باقی سونے کے ساتھ دفن کی اور پھر صاف ستھرا نظر آ کر کھلی جگہ کی طرف واپس چل پڑا۔

لیکن میرا سینہ بھاری ہو رہا تھا۔ کسی نہ کسی طرح، مجھے پتہ تھا کہ بندر جیسے آدمی مجھے پکڑ لے گا۔ اگر وہ اپنے الزامات ثابت کرنے میں کامیاب ہو گیا، تو مجھے رات سے پہلے کھانے کے طور پر کھایا جائے گا۔ لیکن عجیب بات یہ تھی—اس نے کوئی الزامات نہیں لگائے۔ وہ وہاں بھی نہیں تھا۔

یہ عجیب تھا۔ میں ادھر ادھر چکر لگا رہا تھا، کچھ جنگجوؤں سے ان کی زبان میں بات کی، اور پھر کک-کک کو دیکھ لیا۔ قبیلے میں زندگی سست تھی۔ سونے کے زیورات کی تجارتی طاقت نے انہیں ایک فائدہ دے رکھا تھا۔ انہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی تھی۔ عجیب بات یہ تھی کہ وہ سونے کو سمجھتے نہیں تھے۔

وہ یہ سمجھتے تھے کہ سونا خود نہیں، بلکہ سنار جو اس میں انگوٹھیاں اور کڑے بناتا ہے، وہی چیز ہے جو اسے قیمتی بناتی ہے۔ سونا ایک خام مال کے طور پر ان کے لیے کچھ نہیں تھا۔

جنگجوؤں کے پاس زیادہ کچھ کرنے کو نہیں تھا سوائے اس کے کہ کبھی بھار شکار پر جاتے۔ عورتیں سارا اصل کام کرتی تھیں، مگر وہ بھی زیادہ نہیں تھا۔ کک-کک اور میں ساحل کی طرف چل پڑے۔ اس کے بازو میری گردن کے ارد گرد تھے، اور اس کا سر میرے کندھے پر رکھا تھا۔ میں ایک گہری ملکیت کا احساس محسوس کر رہا تھا—جیسے میں ساری دنیا کا مالک ہوں۔

میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا کہ فخر نہ کرو، میں اس کی خریداری کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا، اور میں بندر جیسے آدمی سے زیادہ پیشکش کروں گا۔

وہ تجسس سے دیکھنے لگی، لیکن جب اس نے دیکھا کہ میں جواب نہیں دینا چاہتا، تو اس نے سوالات نہیں کیے اور خاموش ہو گئی۔

وہ ایک شاندار عورت تھی—اس قسم کی عورت جس پر ہر مرد فخر کر سکتا ہے، خاص طور پر ایک کھر درے سمندری آدمی پر جو دنیا کے تمام سمندروں میں سفر کر چکا تھا اور مختلف موسموں کا سامنا کر چکا تھا۔

میں نے اسے اس وقت چھوڑا جب سورج بلند ہو چکا تھا، یہ جانتے ہوئے کہ وہ قبیلے کے ساتھ روزانہ نہانے کے لیے سمندر کی طرف جائے گی۔

یہ میرا موقع تھا۔

میں جنگل میں دوڑ کر اُس جگہ پہنچا جہاں میں نے سونا دفن کیا تھا۔

لیکن جب وہاں پہنچا، تو جو سونا میں نے دفن کیا تھا، وہ غائب تھا۔

صرف بیس پاؤنڈ سونا باقی تھا۔ زمین کھودی گئی تھی، اور سونا لے لیا گیا تھا۔

وہ دھوپ میں پڑا تھا، نرم اور ہیلچمٹا ہوا جنگل کے سبز اور مٹی کے گہرے رنگوں

کے درمیان۔

ایک لمحے کے لیے، میرا دل دھڑکنے لگا۔

پھر مجھے سمجھ آ گیا۔

بندر جیسے آدمی نے شور نہیں مچایا۔ اس نے سونے کی طاقت کو سمجھ لیا تھا۔

جب اس نے مجھے چیونٹیوں کو کھانا دیتے اور سونے کی چٹان سے فائدہ اٹھاتے

دیکھا، تو اس نے سوچا کہ میں نے کوئی اور ذخیرہ کہیں چھپایا ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ اس نے مجھے زہر آلود تیر سے نہیں مارا۔

اس نے بس انتظار کیا تھا، درختوں کی اونچی شاخوں سے مجھے خاموشی سے دیکھتے ہوئے، اور مجھے اپنے خزانے تک لے آیا۔ درختوں میں اس کی مہارت کے ساتھ یہ اس کے لیے آسان تھا—وہ پرندے کی طرح درختوں کی شاخوں میں پھڑکنے میں ماہر تھا۔

اب، اس نے جتنا سونا اٹھا سکتا تھا، لے لیا تھا۔ وہ جلدی میں تھا۔ اس نے باقی سونا دفن کرنے یا مٹی سے ڈھانپنے کی زحمت نہیں کی۔ کیوں؟

صرف ایک جواب تھا۔ اس نے کک-کک کو اس کے والد سے خریدنے کے بارے میں دھوکہ دیا تھا، اور اب وہ اس دھوکے کو سچ ثابت کرنا چاہتا تھا۔ اس بندر نما شخص نے دوسرے سفید آدمی کے کیمپ کے بارے میں سنا تھا—جیسے میں نے سنا تھا۔

اور اس نے مجھ سے پہلے شروع کر لیا تھا۔ میرے پاس ایک کھال کی تھیلی تھی جس میں کندھے کے پٹے تھے۔ میں نے باقی سونا اس میں بھر لیا اور روانہ ہو گیا۔ مجھے پتہ تھا کہ گزرگاہ پر پہرے داروں سے بچنا مشکل ہوگا، لیکن میں رات تک انتظار نہیں کر سکتا تھا۔

بندر جیسے آدمی درختوں کی شاخوں میں پھسل کر گزر سکتا تھا۔ مجھے جھوٹ اور حوصلے پر انحصار کرنا تھا۔ پہلے ان سے گزرنا اتنا مشکل نہیں تھا۔ اصل مشکل سونا لے کر نکلتا تھا۔

ایک جنگو کے طور پر، مجھے جنگل میں شکار پر جانے کی آزادی تھی—میں جب چاہوں آجاسکتا تھا۔

لیکن وہ چیز جو کھال کی تھیلی میں تھی، وہ اصل مسئلہ بننے والی تھی۔
پھر مجھے ایک اور خیال آیا۔

پچھلے دن ایک شکار ہوا تھا—ایک چھوٹا سا ہرن جو جنگل میں دوڑ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ گوشت کہاں ملے گا۔ سونا زیادہ جگہ نہیں لے رہا تھا، اس لیے میں فوراً گوشت اٹھا کر اس پر رکھ آیا۔

یہ تھا یا وہ تھا—میں مزید پیچیدہ منصوبہ بندی کا انتظار نہیں کر سکتا تھا۔
میں نے ایک نیزہ اور ڈھال پکڑی اور راستے پر چل پڑا۔

پہرے داروں نے مجھے دیکھ کر اپنے سفید دانت نکالے اور بڑی بڑی آنکھیں جھپکائیں۔ پھر ایک نے میری پیٹھ پر موجود تھیلی کو دیکھا، نیزہ نیچے کیا اور آکر اس کی نفیٹش کرنے لگا۔

میں نے ذرا بھی خوف نہیں دکھایا۔

میں نے خود ہی تھیلیا کھولا اور اس کا بڑا تاثر بنایا۔ میں نے سورج کی طرف اشارہ کیا اور ہاتھ اوپر نیچے کیا، یہ بتانے کی کوشش کی کہ میں چار دن کے لیے جا رہا ہوں۔ پھر میں نے گوشت کی طرف اشارہ کیا اور اپنے منہ کی طرف، تاکہ یہ بتا سکوں کہ یہ سفر کے لیے کھانا ہے۔

میں نے تھوڑی مزاحیہ باتیں کیں اور ان کو ہنسایا۔

وہ جنگل کے لوگ آسانی سے ہنس پڑتے تھے—اتنے سادہ کہ انہیں سونے کی طاقت کا پتا نہیں تھا۔

یہ سب کچھ بہت آسان تھا۔

میں اپنے راستے پر تھا، دشمن علاقے میں جا رہا تھا، جانتے ہوئے کہ فانی اس علاقے میں ہیں اور میں ان کے لیے بہترین کھانا بن سکتا ہوں۔

یہ ایک عجیب سا احساس تھا، یہ جاننا کہ تمہاری واحد قیمت وہ گوشت ہے جو تم اپنے جسم میں تبدیل کر سکتے ہو۔

مگر یہ سب کچھ پہلے ہی شروع ہو چکا تھا، اور مجھے اسے مکمل کرنا تھا۔ ایک بار جب میں ان علاقوں تک پہنچوں گا جہاں سفید لوگ سفر کرتے ہیں، میری جلد کا رنگ مجھے بچالے گا۔

سفید لوگوں کو سیاہ فاموں سے عزت ملتی ہے۔ انہیں یہ عزت حاصل کرنے کے لیے بہت سے سیاہ فاموں کو مارنا پڑتا ہے، لیکن انہیں نتیجہ ملتا ہے۔ پہلے چند میلوں نے مجھے پریشان کر رکھا تھا۔

مجھے ایسولمک سے گزرنا تھا اور نچو علاقے میں جانا تھا، اور میں جلدی میں تھا۔ میں آہستہ اور احتیاط سے نہیں چل سکتا تھا، اور میں بندر جیسے آدمی کی طرح درختوں میں نہیں جا سکتا تھا۔

پہلے دن، میں تقریباً پکڑا گیا تھا۔ فانی کے جنگجوؤں کا ایک گروہ راستے پر آ رہا تھا۔ میں فوراً جنگل کے سب سے گھنے حصے میں چھپ گیا، سائے میں چھپتے ہوئے۔

مجھے یقین تھا کہ پکڑا جا چکا ہوں—ان لڑکوں کی آنکھیں ایسی تھیں جو اندھیرے میں بھی دیکھ سکتی تھیں۔ لیکن میں بچ گیا۔

دوسرے دن، مجھے کوئی نہیں ملا۔

میں زیادہ کھلے اور پہاڑی علاقے میں جا رہا تھا، اور مجھے بس یہ عمومی خیال تھا کہ کہاں جا رہا ہوں۔ ایک پہاڑ تھا جو بلندی پر تھا، تو میں اس پر چڑھا اور ایک مضبوط درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔

ٹھیک شام کے قریب، میں نے انہیں دیکھا — سینکڑوں آتشیں جھمکتے ہوئے، جیسے چھوٹے ستارے اندھیرے میں جگمگا رہے ہوں۔

میں نے سوچا کہ یہ ضرور سفید آدمی کا کیمپ ہوگا۔
رات کے وقت جنگل سے گزرنا محفوظ نہیں ہوتا۔

جنگل میں بہت سے جانور ہیں جنہوں نے انسانوں کی عادتیں اپنالی ہیں اور وہ سمجھنے لگے ہیں کہ جو کچھ تم نے کیا، وہ ان کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔

وہ انسان کے گوشت کو خوشی سے کھاتے ہیں، خاص طور پر سفید آدمی کا گوشت، جیسے وہ کوئی لذیذ کھانا ہو۔

ہم کبھی نہیں سوچتے جب ہم ایک اچھے ہرن کا پیچھا کرتے ہیں، اور یہ سوچ کر ہمارے منہ میں پانی آجاتا ہے کہ وہ کونسلے پر سینک کر کھایا جائے گا۔

لیکن جب وہ ہرن ہمیں پیچھا کرنا شروع کرتا ہے — اپنے ہونٹ چاٹ کر، یہ سوچتے ہوئے کہ ہم کتنے مزیدار ہوں گے — تو کہانی کچھ اور ہو جاتی ہے۔

مجھے یہ پتہ ہے۔

دو گھنٹے تک، میں اس علاقے سے گزر رہا تھا، اور جنگل سے نظریں گھوم کر میری طرف آرہی تھیں، نرم قدموں کے ساتھ پیچھے پیچھے آرہے تھے۔

وہ جانور تھے — چپ چاپ چلتے ہوئے، سفید آدمی کی خوشبو سے تھوڑا ڈرتے ہوئے، لیکن پھر بھی مجھے پھڑکنے کی کوشش کرتے ہوئے، اور یہ سوچ کر ان کے

منہ میں پانی آ رہا تھا۔

ہاں، میں جانتا ہوں کہ ایسا لگتا ہے جب تم شکار ہو، اور وہ تمہیں کھانے کے بارے میں سوچ کر یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے کہ تم کتنے مزیدار ہو گے جب وہ تمہیں اپنے بچے سے پکڑ لے گا۔

آخر کار، میں سفید آدمی کے کیمپ تک پہنچ گیا۔

میں نے اسے وہاں بیٹھا دیکھا، داڑھی کے ساتھ، سفید کپڑوں میں ملبوس، آگ کے سامنے بیٹھا تھا۔ ایک گروہ اور مقامی خادمہ اس کے ارد گرد کھڑا تھا، جو کھانا اور مشروبات لے کر آرہے تھے۔

میں اس کے پاس پہنچا، تھکا ہارا، اور اپنے منہ کی طرف اشارہ کیا۔
میں اتنا عادی تھا مقامی لوگوں سے اس انداز میں بات کرنے کا کہ ایک لمحے کے لیے مجھے یہ یاد ہی نہیں آیا کہ یہ آدمی میری زبان بولتا ہے۔

پھر میں نے کہا،

"میں تجارت کرنے آیا ہوں،" اور سونا زین پر پھینک دیا۔

وہ اپنی کرسی سے اچھل کر اٹھا جیسے گولی لگی ہو۔

"ایک اور!" اس نے کہا، "اور یہ تو سفید ہے!"

پھر اس نے اپنے ہاتھ بجائے۔

سیاہ فام لوگ آگے بڑھے اور مجھے پکڑ لیا۔

"یہ کہاں سے آیا؟ کہاں ہے؟ کیا مزید ہے؟ وہاں تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا؟"

وہ سوالات کر رہا تھا، اس کا چہرہ جوش سے بنفشی رنگ میں بدل چکا تھا، ماتھے کی نسیم پھول رہی تھیں، اور اس کی آنکھوں میں وحشی پن تھا۔

میں بھول چکا تھا کہ سفید لوگ سونے کو دیکھ کر کتنے پاگل ہو جاتے ہیں۔

"سونا! سونا!" وہ بولا، "یہ ملک تو سونے سے بھرا ہوگا!"

پھر اس نے کچھ ایسا کہا جس سے میرا خون جما سا گیا۔

"آج صبح کیمپ میں ایک بڑا بندر آ رہا تھا۔ وہ تقریباً انسان جیسا لگ رہا تھا۔ میں نے اس کا پیچھا کیا اور اسے نمونے کے طور پر گولی مار دی۔

"کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ مجھے کتنی حیرت ہوئی جب میں نے دیکھا کہ وہ سونا سے بھری کھال لے کر آیا تھا؟"

میرے پیٹ میں مروڑ اٹھا۔

بندر جیسے آدمی۔

"اور یہ،" اس نے سونے کو گھورتے ہوئے کہا، "یہ وہی سونا ہے۔ میں اسے کہیں

بھی پہچان سکتا ہوں۔

"آئیں، میرے اچھے دوست—آئیں اور بتائیں کہ کیا آپ نے کبھی اس عجیب بندر جیسی مخلوق کو دیکھا ہے؟ میں نے اسے النخل میں محفوظ کیا ہے اور اسے برٹش

میوزیم لے جانے کا ارادہ ہے۔"

میرے ذہن میں آیا کہ شاید یہ خیال مجھے تھوڑا عجیب لگ رہا ہے، لیکن میں کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

وہ مجھے ایک بڑے مرتبان کی طرف لے جا رہا تھا، جہاں بندر جیسے آدمی کا جسم تھا، اس کی پٹھ میں گولی کا سوراخ تھا—یاد رکھیں، اس کی پٹھ میں۔

اس نے اسے سامنے سے نہیں مارا تھا، بلکہ پیچھے سے آکر مارا تھا، جیسے کوئی بزدل آدمی۔ "نمونہ" النخل میں تیر رہا تھا۔

میں نے اپنا منہ موڑ لیا۔

"بتائیں، بتائیں،" وہ آدمی منت کرتے ہوئے بولا۔ "کیا آپ اسے جانتے ہیں؟ آپ کا سونا اسی نوعیت کا ہے۔ شاید آپ نے اسی قسم کی کوئی اور مخلوق دیکھی ہو۔"

"جب میں نے اسے گولی ماری، تو مجھے پھٹتا ہوا۔ اگر میں نے اسے زندہ پھڑکا ہوتا، تو وہ مجھے سونے کے ذخیرے تک لے جاسکتا تھا۔ لیکن مجھے سونے کے بارے میں پہلے نہیں پتا تھا، اس سے پہلے کہ میں نے اسے گولی ماری۔" میں نے فوراً سوچا۔

اگر یہ شخص سمجھتا ہے کہ مجھے سونے کا راستہ معلوم ہے، تو وہ مجھے دکھانے کے لیے مجبور کر دے گا—یاد تیر، شاید وہ مجھے مار کر مجھے بھی النخل میں محفوظ کر لے گا۔ لہذا، میں نے غمگین چہرہ بنایا۔

"نہیں، میں نہیں جانتا،" میں نے کہا۔ "میں نے اس بندر نما انسان کو دیکھا تھا جو کھال میں کچھ بھاری چیز لے کر جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے آیا جب تک کہ وہ کھال رکھ کر سونہ گیا۔ پھر میں چپکے سے قریب آیا، دیکھا کہ یہ سونا تھا، اور سوچا کہ ایک بندر نما انسان کو سونے کی کیا ضرورت؟" اس نے سر ہلایا۔

"بالکل درست، میرے دوست۔ بالکل درست۔ ایک بندر سونے کا کیا کرے گا؟ اور آپ کا کیا حال ہے؟ آپ شاید اس کے لیے کوئی استعمال نہیں رکھتے ہوں گے۔ بہر حال، آپ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سونا بندر کا تھا، تو آپ کو اسے اصل ڈھیر میں واپس کر دینا چاہیے، اور میں اس کا خیال رکھوں گا۔"

میں دیکھ سکتا تھا کہ یہ آدمی وہ تھا جو سب کچھ مفت میں چاہتا تھا—اور اسے یہ پسند نہیں آتا تھا جب کوئی اس سے کچھ چھپائے۔

میں نے اسے بتایا کہ میں خوشی سے اس کی مدد کرنے کو تیار ہوں—لیکن پہلے مجھے کچھ کیلکوز، کچھ آئینے، کچھ کمبل، ایک بندوق، گولہ بارود، کچھ شکار کے چاقو، اور کچھ موتیوں کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد، وہ سونا لے سکتا تھا۔

ہم نے تھوڑی دیر تک بات چیت کی، اور آخر کار میں روانہ ہو گیا، دوپور ٹرژ کو ساتھ لے کر۔ وہ ڈرے ہوئے تھے لیکن سامان سے لادے ہوئے تھے۔ میں نے خود بندوق اٹھائی اور اپنے پیچھے کے راستے پر نظر رکھی۔

شاید وہ بوڑھا آدمی بھی مجھے ایک نمونہ سمجھ کر پیچھے آجائے۔
آخر کار، میں بخیر واپس پہنچ گیا۔

ہمیں فانیوں کے ساتھ تھوڑی سی جھڑپ کا سامنا ہوا، لیکن جیسے ہی بندوق کی آواز سن کر وہ جنگل میں دوڑ گئے، سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔

میں نے پورٹرز سے سامان تقریباً دو میل دور کیمپ سے اتروایا، پھر خود سارا بوجھ اٹھا کر راستے تک پہنچایا۔ اس کے بعد، میں سینٹریوں کے پاس گیا، ان سے ہاتھ ملایا اور آرام سے گزر گیا۔ اندر پہنچ کر، میں نے کچھ جتھوں کی مدد سے لوٹ کا مال اٹھوایا۔
کک-کک وہاں تھی، پورے زیور میں سچی ہوئی، گاؤں میں گھوم رہی تھی۔
یہ فانیوں کی رسم تھی۔

جب کسی لڑکی کو شادی کے لیے پیش کیا جاتا، تو وہ اپنے خاندان کا سارا سامان پہنتی اور گاؤں میں گھومتی تھی۔ یہ بولی لگانے والوں کے لیے ایک اشارہ تھا۔
مجھے پتہ تھا کہ کک-کک یہ سب میرے لیے کر رہی تھی۔

اسے قبیلے کی رسموں کا پورا خیال تھا، لیکن وہ سمجھتی تھی کہ میں ہی وہ شخص ہوں جو اس کی قیمت ادا کر سکتا ہوں۔

اسے میری ہوشیاری پر بھروسہ تھا کہ میں اس کے لیے سب کچھ لے آؤں گا۔

باب ۶ افریقائی انصاف

میرے سامان نے بڑی ہلچل مچائی۔

جب میں نے جنگجوؤں سے کہا کہ وہ اسے زمین پر پھیلائیں، تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، جیسے وہ کچھ سمجھے ہی نہ ہوں۔ ان میں سے زیادہ تر نے کبھی سفید آدمیوں کے سامان کو نہیں دیکھا تھا۔ وہ اتنے الگ تھلگ تھے کہ ان کے لیے یہ سب نیا تھا۔ چاقو سب سے زیادہ پسند کیے گئے۔ جنگجو شکار کے ماہر تھے اور تیز دھار چمکدار فولاد کی اہمیت سمجھتے تھے۔ کھل اور کیلکوس ان کے لیے زیادہ دلچسپ نہیں تھے، مگر چاقو، آئینے اور موتی ان کے لیے قیمتی تھے۔

بوڑھا ایک-ایک اپنی آنکھیں سکڑ کر کچھ سوچنے لگا اور پھر بندر جیسی زبان میں کچھ بولا۔

سنار وہاں موجود تھا۔ اس نے اپنی چچی آنکھوں کو جھپکایا، ہاتھ باہر نکالا اور کہا، "بوڑھا ایک-ایک کہہ رہا ہے کہ تم نے لڑکی خرید لی ہے۔" میرے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔

ان کے لیے بیوی خریدنا صرف تجارت تھا، چاہے وہ قبیلے کی مستقبل کی ملکہ ہو۔ مگر میرے لیے صرف ایک لک-لک تھی، اور اب وہ میری تھی۔ میرے راز کا واحد جاننے والا وہ بندر جیسا آدمی تھا، اور وہ اب الحلل کے مرتبان میں تیر رہا تھا۔

میں قبیلے میں سکون سے رہ سکتا تھا اور باقی زندگی خوشی سے گزار سکتا تھا۔

مگر کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔ میرے دماغ میں ہلکا سا چکر تھا، اور جب میں نے جلدی سے سر موڑا، تو ایسا لگا جیسے سب کچھ چند لمحوں تک گھوم رہا ہو۔ میرے قدم عجیب لگ رہے تھے، جیسے وہ زمین کو پورا چھو نہیں رہے ہوں۔

مگر کیا فرق پڑتا تھا؟

کیا میں لگ-لگ سے شادی نہیں کرنے والا تھا؟ یہ چھوٹی سی بیماری اس کے مقابلے میں کچھ نہیں تھی۔
پھر شور مچ گیا۔

میں نے اوپر دیکھا اور دوپہرے داروں کو قیدی کے ساتھ آتے دیکھا۔
"ایک اور کھانا!" میں نے سوچا، اور پھر خیال آیا کہ شاید یہ قیدی میری شادی کی ضیافت کے لیے کھانا فراہم کرے گا۔

پھر میں نے دوبارہ دیکھا، اور میرا منہ خشک ہو گیا۔

یہ وہ پورٹر تھا جس نے میرا سامان اٹھایا تھا۔
شاید وہ چپکے سے واپس آیا تھا، یہ امید رکھتے ہوئے کہ سونا مل جائے گا، یا پھر شاید کچھ شکاریوں نے اسے پکڑ لیا تھا۔ کسی بھی صورت میں، میری تقدیر کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

جب اس نے یہ بتایا کہ میں نے سفید آدمی سے کیا تجارت کی—

میں نے اپنے کان کھڑے کر لیے۔

ہمارے کچھ جنگجو فینیٹی بولتے تھے، اور شاید وہ پورٹر بھی بولتا ہوگا۔

وہ بول رہا تھا۔

میں نے باتیں سنی، اور پھر میں نے پورٹر کو اشارہ کرتے دیکھا—میری طرف اور سامان کی طرف جو زمین پر پڑا تھا۔

میں نے یک-یک کی طرف ایک چپکی سی نظر ڈالی۔

اس کی آنکھیں سخت تھیں، جیسے شیشے کے موتی۔ اس کے ہونٹ اتنے تنگ تھے کہ ان میں بس جھریوں کا ڈھیر تھا۔

اس نے کچھ کہا، اور پھر جتو میرے ارد گرد گھیر اڑال کر کھڑے ہو گئے۔ سنار ابھی بھی وہاں موجود تھا اور مترجم کا کردار ادا کر رہا تھا، مگر مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔

پھر اچانک، میں اکڑ گیا۔

ایک-ایک نے کک-کک پر قبیلے سے غداری کا الزام لگا دیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے لگا کہ بوڑھا آدمی پاگل ہو گیا ہے، مگر پھر مجھے سمجھ آیا کہ وہ کیا دیکھ رہا تھا۔

کک-کک مجھ سے محبت کرتی تھی۔ وہ بندر جیسے آدمی، جس سے وہ نفرت کرتی تھی، اس نے اسے خریدنے کی دھمکی دی تھی۔ ملک میں ایک سفید آدمی تھا۔ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ مجھے سونا دے دے؟

میں نے سمجھانے کی کوشش کی، مگر وہ میری بات نہیں سن رہے تھے۔ کک-کک ایک لمحے کے لیے کچھ بدلی، پھر میرے پاس آئی۔

"ہم ساتھ ساتھ موت کو گلے لگائیں گے،" اس نے کہا، بالکل ایک ملکہ کی طرح۔ مگر میں یہ سب برداشت نہیں کرنے والا تھا۔

میں نے انہیں چیونٹیوں کے بارے میں بتایا، کہ میں نے انہیں کس طرح تربیت دی تھی۔ میں نے خود کو ثابت کرنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ میں نے یہ تک کہا کہ مجھے چیونٹیوں کو کھانے دے دو۔

مگر وہ میری بات نہیں سن رہے تھے۔

کک-کک وہ واحد تھی جس کی وہ بات سنتے تھے، اور اس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ وہ میرے ساتھ مرنا چاہتی تھی۔

تب مجھے سمجھ آیا کہ میں واقعی بیمار ہوں۔
 زمین گھومنے لگی، اور میں اتنا چکرایا ہوا محسوس کر رہا تھا کہ بمشکل اپنی آنکھیں کھولے
 رکھ سکا۔ میرے سر میں جلن اور دھڑکن تھی، اور ایسا لگ رہا تھا جیسے جنگل کی نم ہوا
 میرے خون میں جذب ہو گئی ہو، مجھے گھیر کر ایک بھاری، مرطوب چادر میں ڈھانپ
 رہی ہو۔

میرے ارد گرد کی آوازیں مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔
 میں نے سنار کو سنتے ہوئے سنا کہ سردار نے کیا فیصلہ سنایا۔
 اسے میرے کان کے قریب جھک کر آواز دینی پڑی تاکہ میں سمجھ سکوں۔
 ایسا لگتا تھا کہ قبیلے کے پاس ایک عجیب قسم کی روٹی تھی، جو بیروں اور جڑوں سے
 بنتی تھی۔ جب کوئی اس روٹی کو کھاتا، تو وہ اپنی یادداشت کھودیتا تھا۔
 بوڑھے سردار نے فیصلہ کیا کہ ہمیں مارا نہیں جائے گا، بلکہ ہمیں یہ روٹی کھلائی
 جانے گی اور قبیلے سے نکال دیا جائے گا۔

چونکہ ہم نے قبیلے کے خلاف جرم اس لیے کیا تھا کہ ہم شادی کرنا چاہتے تھے،
 اس لیے بوڑھے آدمی کو یہ ایک شاعرانہ انصاف لگ رہا تھا—ہمیں وہ روٹی کھلاؤ
 تاکہ ہم ایک دوسرے کو یاد بھی نہ کر سکیں۔
 یہ ایک خوفناک سزا تھی۔

اگر میں بیمار نہ ہوتا، تو میں فوراً بھاگ جاتا—یا انہیں مجھے مارنے پر مجبور کرتا، یا اپنی
 رائفل پکڑ کر کلک-کلک کے ساتھ بھاگنے کی کوشش کرتا۔
 مگر میں ایک بیمار آدمی تھا۔

مجھے لگا کہ انہوں نے کچھ میرے منہ میں ڈال دیا۔ میں نے فوراً اسے نگل لیا اور پھر
 پانی کی طلب محسوس کی۔

آخری چیز جو میں نے دیکھی، وہ کک-کک کی آنکھیں تھیں، دھندلی اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے، جو میرے اوپر جھک رہی تھیں۔

پھر سب کچھ اندھیرے میں چلا گیا۔

جیسے موم بتی بجھ جائے۔

خدا ہی جانے کتنے وقت کے بعد مجھے ہوش آیا۔

میں کیپ کو سٹ قلعے میں تھا۔

انہوں نے بتایا کہ کچھ مقامی لوگوں مجھے ایک اسٹریچر پر لائے، مجھے اس عمارت کے دروازے کے سامنے چھوڑا جہاں وہ دوائیں رکھتے تھے، اور پھر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ اگلے دن صبح انہیں وہاں پایا گیا، نیند کی بیماری میں مبتلا۔

جب میں بیدار ہوا، تو مجھے کچھ بھی یاد نہیں تھا کہ میں کون ہوں، کہاں تھا، یا یہاں کیسے آیا تھا۔ مجھے بس یہ احساس تھا کہ مجھے کچھ چاہیے تھا، مگر میں یہ نہیں بتا سکا کہ کیا۔

پھر ایک کشتی آئی، اور مجھے اس پر بھیج دیا گیا۔

اس کشتی کے سرجن نے میرے کیس میں دلچسپی دکھائی۔ ہر بار جب بارش ہوتی، میں سو جاتا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ہوا میں نمی کی خوشبو مجھے نیند میں غرق کر دیتی۔

اس نے مجھے بہت عزت دی جیسے میں ایک بادشاہ ہوں اور مجھے بوسٹن لے آیا۔ وہاں ایک جرمن ڈاکٹر تھا جو گرم علاقوں کے بخار کا ماہر تھا۔ اس نے چھ ماہ تک میرے کیس کا مطالعہ کیا۔

ڈاکٹر نے بتایا کہ میں ایک ایسی حالت کا شکار ہوں جسے آٹو پنیٹیس کہتے ہیں۔

اس نے کہا کہ جب بارش ہوتی ہے، میں سوتا ہوں کیونکہ میں نے خود کو اس طرح ڈھال لیا ہے—کیونکہ میں بارش میں سونا چاہتا ہوں۔

میں نے اسے بتایا کہ یہ میرے خون کا بخار ہے، جو ہوا کی نمی میں سطح پر آ جاتا ہے۔

مگر وہ صرف سر ہلا کر کہنے لگا— آٹو پینو ٹیسس، جو کچھ بھی یہ ہو سکتا ہے۔

اس نے چھ مہینے تک میرا علاج کرنے کی کوشش کی، پھر آخر کار ہار مان لی۔

اس نے مجھے کیلیفورنیا یا ایریزونا جانے کا مشورہ دیا، صحرا میں، جہاں سال میں صرف ایک یا دو بار بارش ہوتی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے بارش کے دوران ہمیشہ اپنے خیمے میں رہنا چاہیے۔

میں نے اس کی بات مانی۔

پچھلے پچاس سالوں سے، میں یہاں صحرا میں رہ رہا ہوں۔

ہر بار جب بارش ہوتی ہے اور میں نم ہوا کی خوشبو سونگھتا ہوں، یہ بالکل ویسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے جنگل کی خوشبو جب مجھے نیند کی بیماری تھی، اور میں سو جاتا ہوں۔

کبھی کبھی میں دو ہفتے تک مسلسل سوتا ہوں۔

مگر میرے بارے میں ایک عجیب بات ہے— اب جب میں بوڑھا ہو رہا ہوں، میری یادداشت واپس آرہی ہے۔

خاص طور پر جب میں بیدار ہوتا ہوں، تو میں سب کچھ یاد کر لیتا ہوں— بالکل جیسے میں نے یہ آپ کو بتایا۔

یقیناً، اب میں صرف ایک بوڑھا آدمی ہوں، کچھ نہیں بس ایک صحرا کا چوہا، ریت میں کچھ سونا تلاش کرتا ہوں۔ میرے پاس ایک سونے کے ذخائر ہے جو اس پہاڑ کے نیچے ہے۔

کتنا عجیب ہے؟

میں نے اپنی ساری زندگی سونا ڈھونڈنے میں گزار دی، حالانکہ وہ سونا بڑے ٹکڑوں میں حاصل کرنا ہی تھا جس نے میری ساری مشکلات پیدا کیں۔

اوہ، خیر۔ یہ سب ایک زندگی کا حصہ ہے۔

اب میں اتنا بوڑھا ہوں کہ ایسی باتوں پر زیادہ نہیں سوچتا، لیکن کک-کک کی یاد بہت آتی ہے۔

جب بھی میں لمبی نیند سے بیدار ہوتا ہوں، مجھے اس کی گول، مانع آنکھیں یاد آتی ہیں جو مجھے دیکھتی ہوئی نظر آتی ہیں۔

میں سوچتا ہوں کہ کیا اس کی یادداشت بھی واپس آرہی ہوگی، اب جب وہ بھی بوڑھی ہو رہی ہے۔

کیا وہ کبھی مجھے یاد کرتی ہوگی؟

ہاں، جناب۔

شکریہ، جناب۔

اس کافی کا ایک اور کپ اچھا لگے گا۔

جب آدمی اٹھ یا نو دن تک سونے، تو وہ آہستہ بیدار ہوتا ہے۔

میں یہ کافی پیوں گا، پھر اپنے سونے کی زمین کی طرف چل پڑوں گا۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کو تنگ کیا، لیکن وہ بارش اچانک آئی اور پھر میں نے خود کو گیلیلا اور غنودگی محسوس کرتے ہوئے پایا، زمین کی نرم خوشبو اور صحرا کی ہوا سونگھتے ہوئے۔

میں اس پام کے درختوں میں گھس گیا—اور یہی آخری چیز تھی جو مجھے یاد ہے جب تک کہ آپ نہ آئے اور میری زبان میں گرم کافی نہ ڈالی۔

نہیں، شکریہ، مجھے نہیں لگتا کہ میں مزید رکوں گا۔

میرے خیمے میں بہت آرام دہ انتظام ہے۔

اور جب میں اس طرح بیدار ہوتا ہوں، تو ایسا لگتا ہے جیسے میں کک-کک کے ساتھ کسی خواب کی دنیا میں ہوں۔

میں اپنی گمشدہ محبوبہ کے بارے میں سوچنا پسند کرتا ہوں۔

بارش کا اسرار

اللہ حافظ، لڑکوں۔
کافی کا شکریہ۔

اختتام۔۔۔!!!

مظہر حسین
ایم اے (بین الاقوامی تعلقات)
0312-2433707